قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ

افکار و کردار



راجا رشید محمود

قائدِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ

افکار و کردار

راجا رشید محمود

نذیر سنز پبلشرز ۴۰-اے اُردو بازار لاہور

قائداعظم ——— افکار و کردار

صفحات : ۱۶۰

اشاعت : اوّل (۱۹۸۵)

خوشنویس : خلیل احمد نوری

مطبع : آر-آر پرنٹرز لاہور

ناشر

نذیر حسین

نذیر سنز پبلشرز

۴۰-اے، اُردو بازار-لاہور

قیمت ۲۵ روپے

اپنے ماموں

فضل الٰہی صاحب

کے نام

جو قائداعظم (رحمہ اللہ) کے سچے نام لیوا ہیں

بابائے قوم

وہ نگہبانِ وطن، سالارِ قوم — ذہنِ ملت، دیدۂ بیدارِ قوم
رازدار و محرمِ اسرارِ قوم — دردمند و واقفِ آزارِ قوم
اُمتِ مرحوم کا شیرازہ بند
قلعۂ مضبوط و دیوارِ بلند

وہ اُٹھا اس خاک سے دیوانہ وار — جان دے دی شمع پر پروانہ وار
گرچہ اکثر قوم تھی بیگانہ وار — وہ فرنگی سے لڑا مردانہ وار
امن قائم ہو گیا اس جنگ سے
اپنا چھٹکارا ہوا افرنگ سے

اس کے پہلو میں دلِ بے باک تھا — وہ کہ شاہینِ شہِ لولاکؐ تھا
اس کی زد میں گنبدِ افلاک تھا — اس کا روشن دیدۂ ادراک تھا
اس کی تربت پر خدا رحمت کرے
راحتِ پیہم اسے حاصل رہے

(منیر قصوری)

آئینہ

سخنے چند

ہندوستان میں مسلم انفرادیت اور اسلامی تشخص کی حفاظت کا بیڑا قائدِ اعظم محمد علی جناح علیہ الرحمہ نے اُٹھایا۔ انہوں نے اس حقیقت کو بالآخر مخالفین سے بھی منوا لیا کہ مسلمان اپنی عبادات سے لے کر اپنے طرزِ معاشرت تک میں دوسروں سے الگ ہیں اور انہیں اپنی اس انفرادیت کے تحفظ کے لیے علیحدہ وطن کی ضرورت ہے۔ گاندھی جی نے اپنی سعی کر لی، مسلمان علما کے ایک طبقے نے قائدِ اعظم اور اسلامی تشخص کے دوسرے داعیوں کو فتووں اور دشنام طرازیوں کی سان پر چڑھایا اور اسلام کا نام لے کر اپنے جُبّہ و قُبّہ کی نمائش کر کے اہلِ اسلام کو مرعوب کرنا چاہا کہ وہ بھی ان کی طرح ہندوؤں کے تابع مہمل بن جائیں اور دلوں میں الگ مملکت کے حصول کی خواہش کو پنپنے نہ دیں۔

اپنوں اور بیگانوں کی متحدہ کوششوں نے بھی قائدِ اعظمؒ کو نصب العین کے حصول کی راہ سے نہ بھٹکایا اور بالآخر ان کی کوششوں نے ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو عملی شکل اختیار کر لی۔

قائدِ اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کی شخصیت کے بہت سے گوشے ابھی دنیا کے سامنے نہیں لائے جا سکے۔ ان کے افکار سے خود قوم کو بھی پوری طرح آشنا نہیں کیا جا سکا۔ راقم الحروف نے زیرِ نظر کتاب میں افکار کے حوالے سے اُن کے کردار پر گفتگو کرنے کی سعی کی ہے۔ میں نے بعض ابواب میں تو ان موضوعات پر قلم اُٹھایا ہے جن پر پہلے بھی کام ہو چکا ہے۔ اس میں بھی قارئینِ کرام محسوس

کریں گے کہ افکار کے کچھ نئے عُرفے کھلتے ہیں اور کردار کے کچھ مزید گوشے بے نقاب ہوتے ہیں لیکن اس کتاب کے بعض موضوعات ایسے ہیں جنہیں پہلے کبھی چھیڑا ہی نہیں گیا۔

میں نے بانیٔ پاکستان کو دیکھا نہیں، پڑھا ہے۔ ان سے میری محبت موروثی بھی ہے اور حقائق و معارف پر غور و خوض کا نتیجہ بھی۔ میرے ددھیال اور ننھیال میں سے کوئی شخص کبھی "متحدہ قومیت" کا حامی نہیں رہا، اسلامی تشخص پر سب کا ایمان ہے ——— اس طرح قائدؒ کی محبت میری گھٹی میں پڑی ہے۔ زیرِ نظر کتاب میرے ممدوح کی خدمت میں ہدیۂ عقیدت کی حیثیت بھی رکھتی ہے لیکن یہ عقیدت حقائق سے صرفِ نظر کا نتیجہ نہیں بلکہ حالات و واقعات پر غور و خوض کے باعث ہے۔ قائدِ اعظمؒ جو کچھ ہیں، وہی اس کتاب میں نظر آئیں گے۔

یار لوگوں نے انہیں اسلام سے بیگانہ مشہور کیا۔ آپ اس کتاب کے مطالعے سے محسوس کریں گے کہ قائد کو تعلیمات اسلام سے واقفیت بھی تھی اور اسلامی احکام کا پرتو ان کے اعمال و افعال میں بھی نظر آتا ہے۔ انہیں کائنات کے آقا و مولا علیہ التحیۃ والثناء سے محبت تھی۔ وہ بہت اچھے مقرر تھے۔ انہوں نے پاکستان کے سربراہ کی حیثیت سے لارڈ ماؤنٹ بیٹن کو قبول نہ کیا اور خود یہ ذمہ داری قبول کی۔

تو اپنی شدید علالت کے باوجود بطریق احسن نبھائی ——————

غرضیکہ افکار و کردار کے حوالے سے قائدِ اعظمؒ کی جیتی جاگتی شخصیت کے مختلف پہلو آپ کے سامنے ہوں گے۔ اگر بابائے قوم کا کردار آپ کو متاثر کرتا ہے تو خدا کے لیے، پاکستان سے محبت کیجیے اور پاکستان دشمنوں کی ریشہ دوانیوں کی طرف سے آنکھیں نہ موندیے ——— اپنے آپ کو ایک زندہ قوم کے افراد ثابت کیجیے ———!!

تابناک زندگی کے روشن ماہ و سال

۱۸۷۶ ۲۵ دسمبر کو نیونہم روڈ، کھارادر، کراچی کی ایک عمارت میں جناح بھائی پونجا کے ہاں ایک بچہ پیدا ہوا۔ جس کا نام خاندانی ناموں سے قدرے مختلف رکھا گیا۔ محمد علی۔ ان کی والدہ مٹھی بائی کی منت پوری کرنے کے لیے انہیں حسن پیر کے مزار واقع گھنود لے جایا گیا جو ان کے آبائی گاؤں پنیلی سے دس میل دور تھا۔ وہاں محمد علی کے سر کے بال اُتارے گئے اور ان کی صحت کے لیے دعا مانگی گئی۔

۱۸۸۲ کراچی میں محمد علی کی ابتدائی تعلیم کا آغاز ہوا۔

۱۸۸۷ دس برس کی عمر تک انہوں نے گھر پر معمولی مذہبی، گجراتی اور انگریزی تعلیم حاصل کی۔ ۴ جولائی کو انہوں نے سندھ مدرسۃ الاسلام کراچی کے انگلش ڈیپارٹمنٹ میں داخلہ لیا۔

۱۸۹۱ محمد علی جناح ۵ جنوری کو بمبئی گئے، وہاں کچھ دن انجمن اسلام سکول میں تعلیم حاصل کی۔ ۹ فروری کو دوبارہ سندھ مدرسۃ الاسلام کراچی میں داخلہ لیا۔

۱۸۹۲ محمد علی پانچویں سٹینڈرڈ (دسویں جماعت) میں تھے کہ ۳۰ جنوری کو سکول چھوڑ دیا۔ ۱۶ سال کی عمر میں راجکوٹ کے قریب قصبہ

بن بانا کے تاجر گوکل کھیم جی کی لڑکی امی بائی سے ان کی شادی ہو گئی۔ شادی کے بعد کراچی واپس آکر انہوں نے چرچ مشن سکول، لارنس روڈ میں داخلہ لیا اور بمبئی یونیورسٹی کا میٹریکولیشن سرٹیفکیٹ حاصل کیا۔

۱۸۹۳ بیرسٹری کے لیے لندن گئے۔ "لنکن اِن" میں داخلہ لیا۔ اسی دوران میں ان کی نو بیاہتا دلہن بمبئی میں ہیضے کی وبا سے ہلاک ہو گئیں۔

۱۸۹۵ محمد علی جناح نے بیرسٹری کا امتحان پاس کر لیا۔

۱۸۹۶ لندن سے کراچی واپس آنے پر انہیں معلوم ہوا کہ ان کی والدہ ان کی غیر حاضری میں انتقال کر چکی ہیں۔ وہ افسردہ دل اور پژمردہ طبیعت کے ساتھ وکالت کے لیے بمبئی پہنچے اور بمبئی ہائی کورٹ میں اپنا نام رجسٹر کروا لیا۔

۱۸۹۷ محمد علی کے والد جناح پونجا انتقال کر گئے۔ بمبئی کے قائم مقام ایڈووکیٹ جنرل میکفرسن نے انہیں چیمبر میں مطالعے کی اجازت دے دی۔ حالات کی نامساعدت کے باوجود محمد علی جناح حوصلہ نہ ہارے کیونکہ وہ یہ کام جانتے ہی نہ تھے۔

۱۹۰۰ محمد علی جناح نے چھ ماہ پریذیڈنسی مجسٹریٹ کے عہدے پر کام کیا۔ نومبر ۱۹۰۰ میں انہیں مجسٹریٹ کے طور پر مستقل نوکری کی پیشکش کی گئی لیکن انہوں نے سر چارلس اولیونٹ کی یہ پیشکش مسترد کر دی اور بمبئی کے وسط میں ایک عمارت میں دفتر حاصل کر کے وکالت شروع کر دی۔

۱۹۰۴ انہوں نے وکیل کی حیثیت سے بے پناہ کامیابی حاصل کی۔ اب

تک عملی سیاست سے علیحدہ تھے لیکن کانگرس کے رہنماؤں کے ساتھ ان کا ربط ضبط بہت بڑھ گیا تھا۔

۱۹۰۵ محمد علی سیاسی معاملات پر بہت کھل کر اظہار خیال کرنے لگے لیکن کسی سیاسی تحریک یا سیاسی جماعت کی سرگرمیوں میں کھلے بندوں حصہ نہیں لیا۔

۱۹۰۶ دسمبر میں پہلی مرتبہ کانگرس کے اجلاس منعقدہ کلکتہ میں دادا بھائی نوروجی کے سیکرٹری کی حیثیت سے شرکت کی۔

۱۹۰۷ اُنہوں نے بڑی تیزی سے کانگرسی حلقوں میں مقبولیت حاصل کی۔ کانگرس میں سودیشی تحریک پر اختلافات پیدا ہوئے تو جناح نے گوپال کرشنا گوکھلے کے اعتدال پسند گروپ کو تعاون کا یقین دلایا۔

۱۹۰۸ کانگرس کے دستور و آئین کی اصلاح اور تبدیلی میں نمایاں حصہ لیا۔ اس عرصے میں وہ دادا بھائی نوروجی کے سیکرٹری کی حیثیت سے بھی خدمات انجام دیتے رہے۔

۱۹۰۹ منٹو مارلے اصلاحات کے نفاذ کے بعد محمد علی جناح کو حکومت کے معاملات میں دخل اندازی کا پہلا موقع ملا۔ دسمبر میں بمبئی پریذیڈنسی سے سپریم امپیریل لیجسلیٹو کونسل کے لیے مسلمانوں کی ایک نشست پر محمد علی جناح بلا مقابلہ منتخب ہو گئے۔

۱۹۱۰ ۲۵ جنوری کو امپیریل لیجسلیٹو کونسل کے افتتاحی اجلاس (کلکتہ) میں وہ ایک طرار گو اور متاثر کن مقرر کی حیثیت سے نمودار ہوئے۔

۱۹۱۱ ۷ مارچ کو کونسل کے اجلاس میں مسلم اوقاف اور وقف علی الاولاد کو قانونی حیثیت دینے کے بارے میں بل کا مسودہ پیش کیا۔ ہندو مسلم

رہنماؤں کی اتحاد کانفرنس منعقدہ الٰہ آباد میں محمد علی جناح بھی شامل ہوئے۔

۱۹۱۲ انہوں نے امپیریل کونسل کے مباحثوں میں حصہ لیا۔ دسمبر میں مسلم لیگ کی کونسل کے اجلاس (بانکی پور) میں پہلی مرتبہ شرکت کی اور لیگ کے آئین میں مجوزہ تبدیلیوں کی حمایت کی تاکہ کانگرس اور لیگ کے مقاصد میں ہم آہنگی پیدا ہو سکے۔

۱۹۱۳ سابقہ کارکردگی کی بنا پر وائسرائے نے انہیں کونسل کا دوبارہ رکن نامزد کر دیا۔ انہوں نے مسلم اوقاف اور وقف علی الاولاد کا مسودۂ قانون منظور کرایا۔ سال کے شروع میں وہ چھٹیاں گزارنے لندن گئے، وہاں انڈین ایسوسی ایشن کی تنظیم نو کی اور وہاں سے واپسی پر مسلم لیگ کی رکنیت قبول کر لی۔ آگرہ میں ۳۱ دسمبر کو مسلم لیگ کے ساتویں اجلاس میں شریک ہوئے اور تقریر کی۔

۱۹۱۴ مئی میں کانگرس کے وفد کے قائد کی حیثیت سے انگلستان گئے۔ وطن واپسی کے بعد ایک مرتبہ پھر ہندو مسلم اتحاد کی کوششوں میں معروف ہو گئے۔

۱۹۱۵ محمد علی جناح کی کوششوں سے دسمبر میں کانگرس اور مسلم لیگ کے بمبئی میں اجلاس ہوئے اور ۳۱ دسمبر کو دونوں جماعتوں کا مشترکہ اجلاس ہوا۔ جناح ہندو مسلم اتحاد کے لیے تن دہی سے کام کر رہے تھے۔

۱۹۱۶ اکتوبر میں احمد آباد میں ہونے والی سولھویں بمبئی پراونشل کانفرنس کی صدارت کرتے ہوئے جناح نے نہایت مدبرانہ تقریر کی۔ دسمبر میں مسلم لیگ کا نواں اجلاس (لکھنؤ) ان کی صدارت میں ہوا۔ یہاں

وہ تجویز منظور ہوئی جو تاریخ میں "میثاق لکھنؤ" کے نام سے مشہور ہے۔ انہوں نے مسلم لیگ اور کانگرس کے مشترکہ اجلاس کی صدارت بھی کی اور ۲۳،۷۷- الفاظ پر مشتمل ایک مدبرانہ تقریر کی۔

۱۹۱۷ ۱۵ جون کو انہوں نے ہوم رول لیگ میں شرکت کا اعلان کیا اور اس کے صدر منتخب ہوئے۔ ۲۸ جولائی کو مسلم لیگ اور کانگرس کے مشترکہ اجلاس (بمبئی) میں ایک وفد انگلستان بھیجنے کا فیصلہ ہوا جس میں جناح بھی تھے۔ (یہ وفد ستمبر میں انگلستان گیا) ۳ جولائی کو ان کی صدارت میں بمبئی میں ایک جلسہ ہوا جس میں انہوں نے حکومت کے رویے پر سخت نکتہ چینی کی۔

۱۹۱۸ ۱۹ اپریل کو انہوں نے ایک پارسی سر ڈنشا پیٹٹ کی صاحبزادی رتن بائی کے قبولِ اسلام کے دوسرے دن ان سے شادی کر لی۔ ۱۰ جون کو بمبئی کے ٹاؤن ہال میں صوبائی وار کونسل کا اجلاس ہوا جس میں بمبئی کے گورنر لارڈ ولنگڈن نے جناح کا نام لیے بغیر ان پر تنقید کی۔ کونسل کے اجلاس کی کارروائی دوبارہ شروع ہوئی تو محمد علی جناح نے گورنر کی تقریر کا منہ توڑ جواب دیا اور تقریر کے بعد اجلاس سے واک آؤٹ کر گئے۔ ۱۶ جون کو "یوم ہوم رول" میں بھی انہوں نے گورنر بمبئی کے رویے کی شدید مذمت کی اور اس کی رہی سہی عزت کو بھی خاک میں ملا دیا۔ ۱۱ ستمبر کو طاغوتی طاقتوں کے خلاف اس دور کا سب سے زبردست اور پُرامن مظاہرہ ہوا جو محمد علی جناح کی بلند حوصلگی اور بے باک قیادت کا مظاہرہ تھا۔

۱۹۱۹ ۱۵- اگست کو رتن بائی نے جناح کی خوبصورت بچی کو جنم دیا۔ ۶ فروری

کورولٹ کمیٹی کی سفارشات پر مبنی ایک بل امپیریل لیجسلیٹو کونسل میں پیش ہوا، جسے جناح نے شہری آزادیوں پر ڈاکہ ڈالنے کے مترادف قرار دیا اور اس کی سخت مخالفت کی۔ کونسل میں یہ بل منظور ہو گیا تو انہوں نے استعفیٰ دے دیا۔ ۱۳ر اپریل کو جلیانوالہ باغ میں جلسے پر گولیاں چلائی گئیں جن سے سرکاری رپورٹ کے مطابق ۳۷۹ر افراد ہلاک اور ۱۲ سو شدید زخمی ہوئے اور ۱۵ر اپریل کو پنجاب بھر میں مارشل لا لگا دیا گیا۔ جناح اس صورتِ حال کا ذمہ دار گاندھی کو سمجھتے تھے اس لیے وہ اس مرحلے پر خاموش رہے۔ اس سال وہ مسلم لیگ کے ایک وفد میں شامل ہو کر انگلستان گئے اور گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ کے خلاف بڑی مؤثر تقاریر کیں۔

۱۹۲۰ خلافت کے بچاؤ کے لیے ہنگامے ہوئے تو محمد علی جناح نے کوئی دلچسپی نہیں لی۔ اور بیوی اور نومولود بچی کے ہمراہ سیر و تفریح کی غرض سے لندن چلے گئے۔ ستمبر کے آغاز میں وہ ہندوستان واپس آئے اور کانگریس اور مسلم لیگ کے اجلاسوں میں شرکت کی۔ انہوں نے تحریکِ ترکِ موالات کی حمایت کی اپیل نہیں کی۔ ۳۔ اکتوبر کو ہوم رول لیگ کا اجلاس گاندھی جی کی صدارت میں ہوا اور آئین میں تبدیل کر دی گئی جس پر احتجاج کرتے ہوئے جناح ۲۵ر اکتوبر کو اپنے ۱۹ ساتھیوں سمیت مستعفی ہو گئے۔ دسمبر کے آخری عشرے میں ناگپور میں کانگریس اور مسلم لیگ کے اجلاس میں گاندھی نے سوراج کے حصول کی قرارداد پیش کی تو محمد علی جناح نے مخالفت کی۔

۱۹۲۱ ۱۹ فروری کو گوکھلے کی چھٹی برسی پر تقریر کرتے ہوئے تحریکِ ترک

موالات کے حوالے سے گاندھی کی شدید مخالفت کی اور کہا کہ وہ ملک کو غلط راستے پر ڈال رہے ہیں۔ حکومت نے ترکِ موالات کے مخالف رہنماؤں کی ہمدردیاں حاصل کرنے کی کوشش کی تو جناح نے نہایت سختی سے اسے مسترد کر دیا۔

۱۹۲۲ محمد علی جناح خاموشی سے بدلتے ہوئے حالات اور گاندھی کی سیاست کا جائزہ لیتے رہے اور زیادہ تر وقت وکالت میں صرف کرنا شروع کر دیا۔

۱۹۲۳ انہوں نے کونسلوں کے انتخابات میں ایک آزاد رکن کی حیثیت سے حصہ لینے کا فیصلہ کیا۔ ان کے مخالف امیدوار مقابلے سے دستبردار ہو گئے اور وہ ۱۴ نومبر کو بلا مقابلہ قانون ساز اسمبلی کے رکن منتخب ہو گئے۔

۱۹۲۴ ۲۴۔ مئی کو لاہور کے گلوب تھیٹر میں آل انڈیا مسلم لیگ کا پندرھواں ملتوی شدہ اجلاس محمد علی جناح کی صدارت میں ہوا۔ انہوں نے ایک مدبر سیاستدان کی حیثیت سے برصغیر کی سیاسی صورتِ حال کا حقیقت پسندانہ تجزیہ کیا۔ ۱۶۔ ستمبر کو ایک تحریک پر تقریر کرتے ہوئے انہوں نے اسمبلی میں حکومت پر سخت تنقید کی۔ نومبر میں بمبئی میں ایک اتحاد کانفرنس ہوئی، جس کے انعقاد میں جناح نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔

۱۹۲۵ اتحاد کانفرنس کی تشکیل کردہ تحقیقاتی کمیٹی کی سب کمیٹی کے اجلاس (۲۵ر جنوری) میں محمد علی جناح نے فرقہ وارانہ کشیدگی اور اختلافات کے موضوع پر مدبرانہ تقریر کر کے ہندوؤں کی سیاسی چالوں کو بیکار کر دیا۔ اسمبلی میں ان کی بے لاگ تقریروں نے کھلبلی مچا دی۔

۱۹۲۶ اسمبلی میں ان کا رویہ حکومت کے ساتھ بڑا تلخ رہا اور وہ نہایت بے باکی سے حکومت کی کارکردگی پر معترض رہے۔ وہ ملک کی آزادی کے شوق میں ہندو مسلم اتحاد کے لیے کوشاں رہے لیکن آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس دسمبر (دلّی) میں انہیں صاف کہنا پڑا کہ صرف مخلوط انتخاب سے قومیت پیدا نہیں ہو سکتی۔ اس اجلاس میں انہوں نے ہندوستان کے آئین میں ترامیم تجویز کیں اور ان کی تشریح میں پہلی دفعہ ہندوؤں کے رویّے کو مخالفانہ قرار دیا۔

۱۹۲۷ انہوں نے ۲۰ مارچ کو ہندوستان کے تیس سربرآوردہ مسلمان رہنماؤں کو دہلی میں مدعو کیا اور مسلمانوں کے مطالبات پر مشتمل ایک قرارداد پیش کی، جسے بعد میں "تجاویزِ دہلی" کے نام سے مقبولیت حاصل ہوئی۔ ۱۵ مئی کو کانگرس کے اجلاس (بمبئی) میں تجاویز دہلی کو من و عن منظور کر لیا گیا۔ ۱۹ نومبر کو انہوں نے بمبئی میں سائمن کمیشن کے خلاف ایک جلسۂ عام طلب کیا جس میں ایک پُرزور خطاب کیا۔ سائمن کمیشن کے خلاف یہ پہلا جلسۂ عام تھا۔

۱۹۲۸ ۱۶ فروری کو محمد علی جناح نے لیجسلیٹو اسمبلی میں واضح طور پر اعلان کیا کہ اگر حکومت ہمارے موقف کو سمجھنے پر تیار نہیں ہے تو ہمیں بھی اختیار ہے کہ اس سے تعاون کریں یا نہ کریں۔ اُنہوں نے ایوان میں اور ایوان سے باہر سائمن کمیشن اور اسکن کمیٹی کی سفارشات پر تقاریر کیں۔ ۵ مئی کو وہ لندن روانہ ہوئے۔ ان کی ازدواجی زندگی کشیدگی کا شکار ہو گئی۔ ۳۱ دسمبر کو کلکتہ میں کل جماعتی

کنونشن میں اُنہوں نے نہرو رپورٹ پر نکتہ چینی کرتے ہوئے تین ترامیم پیش کیں۔

۱۹۲۹ ان کی اہلیہ نے دارِ فانی سے سفرِ آخرت اختیار کیا۔ ۳۰، ۳۱ مارچ کو آل انڈیا مسلم لیگ کا ملتوی شدہ اجلاس دہلی کے روشن تھیٹر میں ہوا۔ صدارت جناح نے کی۔ متفقہ طور پر ایک قرارداد منظور کی گئی جس میں محمد علی جناح کے چودہ نکات کو اپنا لیا گیا اور کہا گیا کہ جب تک یہ چودہ نکات منظور نہیں کیے جائیں گے، اس وقت تک مسلمانوں کے لیے کوئی دستور قابلِ قبول نہیں ہوگا۔ اسی سال محمد علی جناح غازی علم الدین (شہید) کے مقدمے کی پیروی کے لیے لاہور گئے۔ مرکزی اسمبلی میں پنڈت موتی لال سے ان کی جھڑپ ہوئی۔

۱۹۳۰ انہوں نے کانگرس کی سول نافرمانی کی تحریک کی مخالفت کی۔ مسلمانوں کے نمائندے کی حیثیت سے گول میز کانفرنس میں شرکت کی اور انگلستان میں سکونت اختیار کر لی۔

۱۹۳۱ ۲ مارچ کو انہوں نے لندن سے ایک مسلم سیاست دان چودھری عبد المتین کے نام اپنے خط میں لکھا: "مسلمانوں کو اپنی صلاحیتوں اور جِدّوجُہد کے سہارے زندہ رہنا ہوگا۔ مسلمانوں کے لیے اب صرف ایک راستہ رہ گیا ہے کہ وہ متحد ہو کر چودہ مطالبات کی تائید کریں اور کسی کے آلۂ کار نہ بنیں۔"

۱۹۳۳ جولائی میں نوابزادہ لیاقت علی خاں نے انہیں وطن واپسی پر رضامند کر لیا۔

۱۹۳۴ اپریل میں وہ ہندوستان آ گئے۔ اپریل ہی میں آل انڈیا مسلم لیگ

کونسل کے اجلاس کی صدارت کی۔ بمبئی کے مسلمانوں نے جناح سے اپنی روایتی وفاداری کا ثبوت دیتے ہوئے مرکزی اسمبلی کے انتخابات میں بلامقابلہ منتخب کرایا۔

۱۹۳۵ مسٹر راجندر پرشاد (صدر کانگرس) سے مل کر ہندو مسلم اختلافات دور کرنے کی ایک اور کوشش کی۔

۱۹۳۶ قانونِ ہند ۱۹۳۵ کے تحت صوبائی اسمبلی کے انتخاب میں حصہ لینے کا فیصلہ ہوا اور جناح نے متحدہ ہندوستان کا طوفانی دورہ کیا۔ نتیجے میں مسلم لیگ کو شاندار کامیابی نصیب ہوئی۔

۱۹۳۷ ۱۵۔ اکتوبر کو مسلم لیگ کے تاریخی اجلاس (لکھنؤ) کی صدارت کی۔ دسمبر میں آل انڈیا مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کلکتہ کے پہلے اجلاس کی صدارت کی۔ مسٹر گاندھی سے خط و کتابت کی۔

۱۹۳۸ مسلم لیگ اور کانگرس کے اختلافات کے متعلق پنڈت جواہر لال نہرو سے خط کتابت کی۔ اپریل میں مسلم لیگ کے خصوصی اجلاس (کلکتہ) اکتوبر میں مسلم لیگ کانفرنس اور دسمبر میں سالانہ اجلاس (پٹنہ) کی صدارت کی۔ گاندھی جی اور سوبھاش چندر بوس سے گفت و شنید کی۔

۱۹۳۹ مارچ میں قانونِ مالگزاری پر مرکزی قانون ساز مجلس میں تقریر کی۔ نومبر میں وائسرائے ہند لارڈ لنلتھگو کی خواہش پر ان سے ملاقات کی۔ مسٹر گاندھی کے ایک مضمون کا دندان شکن جواب دیا۔

۱۹۴۰ ۲۲۔ مارچ کو مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس (لاہور) کی صدارت کی اور قرارداد لاہور کی منظوری دی۔ دہلی اور احمد آباد کے طلبہ کی کانفرنسوں سے خطاب کیا۔

۱۹۴۱ ۲۔ مارچ کو پنجاب سٹوڈنٹس فیڈریشن کے جلسے کی صدارت کی۔ ۱۱۔ مارچ کو علیگڑھ مسلم یونیورسٹی کے طلبہ سے خطاب کیا۔ پھر کانپور، مدراس، میسور، ناگپور اور مختلف علاقوں کا دورہ کیا۔ اکتوبر میں دہلی کے اجلاس (زیرِ صدارت قائدِ اعظم) میں فیصلہ ہوا کہ وائسرائے ہند کی من مانی کارروائی کے پیشِ نظر مسلم لیگ اس سال مرکزی اسمبلی میں شرکت نہیں کرے گی۔

۱۹۴۲ برطانیہ سے کرپس مشن آیا۔ قائدِ اعظمؒ نے مشن کی تجاویز کو مسترد کر دیا۔ کانگرس کی قرارداد اگست کی مخالفت کی۔

۱۹۴۳ ۲۶ جولائی کو بمبئی میں ایک خاکسار نے قائدِ اعظم پر ناکام قاتلانہ حملہ کیا۔ ۱۸ دسمبر کو مشہور انگریز مصنف بیورلی نکلس نے قائد سے ملاقات کی اور آپ کا طویل انٹرویو قلمبند کیا۔ ۲۳ دسمبر کو کراچی میں ان کے جلوس پر ہوائی جہاز کے ذریعے پھول برسائے گئے۔

۱۹۴۴ قائدِ اعظمؒ نے راج گوپال اچاریہ کا فارمولا مسترد کر دیا۔ خضر وزارت سے مصالحت کی کوشش کی۔

۱۹۴۵ شملہ کانفرنس کی ناقابلِ قبول تجاویز مسترد کرنے کا اعلان کیا۔ بے پناہ مصروفیتوں کے باعث کئی بار بیمار ہوئے۔

۱۹۴۶ قائدِ اعظم کی قیادت میں مسلم لیگ نے انتخابات میں نمایاں کامیابی حاصل کی۔ یہ انتخابات نظریۂ پاکستان کی بنیاد پر لڑے گئے تھے۔ برطانوی وزارتی مشن کی تجاویز مسترد کر کے راست اقدام کا فیصلہ کیا گیا۔ جس پر اکثر خطاب یافتہ مسلمانوں نے خطابات واپس کر دیے۔ وائسرائے نے کانگرس کو عبوری حکومت بنانے کی دعوت دی تو قائدِ اعظم نے

اس عیاری اور مکاری پر شدید احتجاج کیا جس پر مسلم لیگ کو بھی عبوری حکومت میں شامل کر لیا گیا۔ قائد دسمبر میں برطانوی حکومت کی دعوت پر لندن گئے۔ واپسی پر مفتیٔ اعظم فلسطین سید امین الحسینی، نحاس پاشا اور عزام پاشا سے ملاقات کی۔

۱۹۴۷ مارچ میں لارڈ ماؤنٹ بیٹن گورنر جنرل اور وائسرائے کی حیثیت سے ہندوستان آئے اور قائدِ اعظم کے استقلال کے پیشِ نظر مطالبۂ قیامِ پاکستان ماننے پر مجبور ہوئے۔ ۳ جون کو قیامِ پاکستان کا اعلان کیا گیا۔ قائدِ اعظم نے بھی ریڈیو پر قوم سے خطاب کیا اور آخر میں "پاکستان زندہ باد" کا نعرہ لگایا۔ ۱۱ اگست کو پاکستان کی مجلس دستور ساز اجلاس ہوا جس میں قائد نے خطبۂ صدارت دیا۔ ۱۴ اگست کو پاکستان دنیا کے نقشے پر ابھرا۔ ۱۸ اگست کو بانیٔ پاکستان نے پاکستان کے پہلے گورنر جنرل کی حیثیت سے قوم کے نام عید کا پیغام دیا۔ ۳۰ اکتوبر کو پنجاب یونیورسٹی گراؤنڈ (لاہور) میں قوم سے خطاب کیا اور مہاجرین کو صبر و ضبط کی تلقین فرمائی۔

۱۹۴۸ بابائے قوم نے یکم جولائی کو سٹیٹ بنک آف پاکستان کا افتتاح کیا۔ ۱۴ اگست کو پہلے جشنِ استقلال کے موقع پر زیارت سے قوم کے نام پیغام دیا۔ ۱۱ ستمبر کو رات دس بج کر ۴۵ منٹ پر کراچی میں اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے اور ۱۲ ستمبر کو لاکھوں انسانوں نے ان کی نمازِ جنازہ میں شرکت کی اور آپ کو سپردِ خاک کر دیا گیا۔

لیکن

وہ آج بھی ہر سچے پاکستانی کے دل کی دھڑکن میں زندہ و پائندہ ہیں۔

قائدِ اعظم اور اسلام

قائدِ اعظم محمد علی جناح (رحمہ اللہ تعالیٰ) نے دو قومی نظریے کی بنیاد پر مسلمانوں کے لیے الگ مملکت حاصل کی تو ظاہر ہے کہ اس مقصد کے لیے ان کی تمام تر کوشش اسلام اور مسلمانوں کے تشخص کے حوالے سے تھی۔ ہندو، پاکستان کی مخالفت اسی حوالے سے کرتے تھے کہ یہ "اسلامستان" نہ بن جائے اور قائدِ اعظمؒ نے ہمیشہ پاکستان کے قیام کی وجہِ جواز اسلام کو قرار دیا۔ پاکستان اور بانیٔ پاکستان کے مخالف مسلمانوں نے جن میں بڑے بڑے "علماء" کے نام بھی شامل ہیں، پورے زور شور سے یہ پروپیگنڈہ کیا کہ محمد علی جناح اسلام کی الف، ب بھی نہیں جانتے۔ وہ لوگ یہ کہہ کر لوگوں کو اسلام کے نام پر قائم ہونے والی مملکت کی مخالفت پر آمادہ کرنے کی کوشش میں لگے رہے (اگرچہ خدا کے فضل و کرم سے ناکام ہوئے)۔

قائدِ اعظم علیہ الرحمہ نے راک لینڈ کے سرکاری مہمان خانے میں طلبہ اور نوجوانوں سے جو گفتگو کی، اس سے واضح ہوتا ہے کہ انہیں اپنے دین سے محبت تھی اور اسلام اور اسلامی تعلیمات کے متعلق ان کا مطالعہ وسیع تھا۔ جب ان سے مذہب اور مذہبی حکومت کے لوازم کے بارے میں استفسار کیا گیا تو انہوں نے نواب بہادر یار جنگ کی موجودگی میں فرمایا:

"جب میں انگریزی زبان میں مذہب کا لفظ سنتا ہوں تو اس زبان اور قوم کے عام محاورے کے مطابق میرا ذہن خدا اور بندے کی باہمی نسبتوں اور روابط کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ میں بخوبی جانتا ہوں کہ اسلام اور مسلمانوں کے نزدیک مذہب کا یہ محدود اور مقید مفہوم یا تصور نہیں ہے۔ میں نہ کوئی مولوی ہوں، نہ مُلّا، نہ مجھے دینیات میں مہارت کا دعویٰ ہے البتہ میں نے قرآنِ مجید اور اسلامی قوانین کے مطالعے کی اپنے تئیں کوشش کی ہے۔ اس عظیم کتاب کی تعلیمات میں اسلامی زندگی کے متعلق ہدایات کے باب میں زندگی کے روحانی پہلو، معاشرت، سیاست، معیشت سب کے متعلق رہنمائی ہے۔ غرض انسانی زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جو قرآنِ مجید کی تعلیمات کے احاطے سے باہر ہو۔ قرآن کی اصولی ہدایات اور سیاسی طریقِ کار نہ صرف مسلمانوں کے لیے بہترین ہیں بلکہ اسلامی سلطنت میں غیر مسلموں کے لیے بھی سلوک اور آئینی حقوق کا اس سے بہتر تصور ممکن نہیں۔"

(صدق لکھنؤ - ۱۹- جنوری ۱۹۴۱ء)

قائدِ اعظمؒ نے بیشتر اہم مواقع پر اسلام کی خصوصیات کا ذکر کیا اور مسلمانانِ ہند کے اذہان و قلوب میں اس حقیقت کو راسخ کرنے کی کوشش کی کہ اسلام زندگی کے ہر شعبے میں انسان کی مکمل رہنمائی کرتا ہے۔ ۱۹۴۵ء میں، قوم کو پیغامِ عید دیتے ہوئے انہوں نے فرمایا۔ "ہر کوئی جانتا ہے کہ قرآن مسلمانوں کا ہمہ گیر ضابطۂ حیات ہے۔ مذہبی، سماجی، شہری، کاروباری، فوجی، عدالتی، تعزیری اور قانونی ضابطۂ حیات —— جو مذہبی تقریبات سے لے کر روزمرہ زندگی کے معاملات تک، روح کی نجات سے لے کر جسم کی صحت تک، تمام افراد سے لے کر ایک فرد کے حقوق تک، اخلاق سے لے کر جرم تک، اس

دنیا میں جزا و سزا سے لے کر اگلے جہاں کی سزا و جزا تک حد بندی کرتا ہے۔"

۲۷ مارچ ۱۹۴۷ء کو میمن چیمبر آف کامرس، بمبئی کے اجلاس میں قائدِ اعظم نے اسلام کی تعریف میں اختصار کے فن سے کام لیتے ہوئے فرمایا "اگر کوئی چیز اچھی ہے تو عینِ اسلام ہے۔ اگر کوئی چیز اچھی نہیں ہے تو یہ اسلام نہیں ہے کیونکہ اسلام کا مطلب عینِ انصاف ہے۔"

شرقِ اُردن کے سفیر کا استقبال کرتے ہوئے قائد نے اسلام کی عالمگیر اخوت کے حوالے سے محبت کا پیغام دیا "اسلام ہماری زندگی اور ہمارے وجود کا بنیادی سرچشمہ ہے۔ اسلام نے ہمارے ثقافتی اور تہذیبی ماضی اور ہماری گزشتہ روایات کو عرب دنیا سے آشنا وابستہ، گہرا اور قریب کر رکھا ہے کہ ہم عربوں اور ان کے مسائل اور مقاصد سے مکمل ترین ہمدردی رکھتے ہیں۔"

۱۱- اکتوبر ۱۹۴۷ء کو کراچی میں عمّالِ حکومتِ پاکستان سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے قیامِ پاکستان کو حصولِ مقصد کا ذریعہ قرار دیا اور اسلامی معاشرتی انصاف کو مقصود بالذّات فرمایا۔ "اپنی مملکت کا قیام صرف حصولِ مقصد کا ذریعہ تھا، نہ کہ مقصود بالذّات۔ مدّعا یہ تھا کہ ہماری اپنی ہی ایک مملکت ہو جس میں ہم آزاد انسانوں کی حیثیت سے جئیں اور زندگی بسر کریں۔ جسے ہم اپنی تہذیبی روشنی اور تمدّنی خصوصیات کے مطابق ترقی دے سکیں —— اور اسلام کے معاشرتی انصاف کے اصول پر پوری آزادی سے بروئے کار لا سکیں۔"

قائدِ اعظمؒ نے قرآنِ مجید کے مرکز پر ملتِ مسلمہ کو اکٹھا کرنا چاہا۔ مسلمانانِ برِصغیر کو یہی پیغام دیا اور اسی رشتے میں پرو کر ان کی اجتماعی قوت کے بل پر وہ کامیابی حاصل کی کہ دنیا دنگ رہ گئی۔ ۱۹۴۳ء میں مسلم لیگ کے اجلاس

(کراچی) میں آپ نے فرمایا "وہ کون سا رشتہ ہے جس میں منسلک ہونے سے تمام مسلمان جسدِ واحد کی طرح ہیں۔ وہ کون سی چٹان ہے جس پر ان کی ملت اُستوار ہے۔ وہ کون سا لنگر ہے جس سے اس اُمت کی کشتی محفوظ کر دی گئی ہے؟ وہ رشتہ، وہ چٹان، وہ لنگر خدا کی کتاب قرآنِ کریم ہے۔"

۲۵۔ جنوری ۱۹۴۸ء کو کراچی بار ایسوسی ایشن سے خطاب کرتے ہوئے پاکستان کے گورنر جنرل حضرت قائدِ اعظم (رحمۃ اللہ علیہ) نے واضح کیا:

"اسلام محض رسوم، روایات اور روحانی نظریات کا مجموعہ نہیں ہے۔ اسلام ہر مسلمان کے لیے ضابطۂ حیات بھی ہے جس کے مطابق وہ اپنی روزمرہ زندگی، اپنے افعال و اعمال حتیٰ کہ سیاست اور معاشیات اور دوسرے شعبوں میں بھی عمل پیرا ہوتا ہے۔ اسلام سب انسانوں کے لیے انصاف، رواداری، شرافت، دیانت اور عزت کے اعلیٰ ترین اصولوں پر مبنی ہے۔ ... اسلام میں انسان انسان میں کوئی فرق نہیں ہے۔ مساوات، آزادی اور اخوت اسلام کے اساسی اصول ہیں۔"

اپنے اسی خطاب میں اُنہوں نے پاکستان کے دستور کے بارے میں اپنے خیالات بھی قوم تک پہنچا دیے، فرمایا "میں اُن لوگوں کی بات نہیں سمجھ سکتا جو دیدہ و دانستہ اور شرارت سے یہ پروپیگنڈہ کرتے رہتے ہیں کہ پاکستان کا دستور شریعت کی بنیاد پر نہیں بنایا جائے گا۔ اسلام کے اصول عام زندگی میں آج بھی اُسی طرح قابلِ اطلاق ہیں جس طرح تیرہ سو سال پہلے تھے ... ان کو کہہ لینے دیجئے، ہم دستورِ پاکستان بنائیں گے اور دنیا کو دکھائیں گے کہ یہ رہا ایک اعلیٰ آئینی نمونہ۔"

فروری ۱۹۴۸ء میں آپ نے ایک امریکی نامہ نگار کو انٹرویو دیتے ہوئے

پھر اسی عزم کا اعادہ کیا۔ "اسلام نے ہمیں انسانی مساوات، انصاف اور ہر ایک سے رواداری کا درس دیا ہے۔ ہم ان عظیم الشان روایات کے وارث اور امین ہیں، اور پاکستان کے آئندہ دستور کے معمار اور بانی کی حیثیت سے ہم اپنی ذمہ داریوں اور فرائض سے بخوبی آگاہ ہیں۔"

اسلامی تعلیمات کی رُو سے دنیا میں کوئی انسان یہ حق نہیں رکھتا کہ کسی دوسرے انسان سے اپنا حکم منوائے۔ حاکمیت صرف خداوندِ قدوس و کریم کی ہے، حکومت کا حق صرف اسی کو حاصل ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے۔ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ (۱۲ : ۴۰) حکومت صرف اللہ ہی کے لیے ہے۔ اس نے فرمایا کہ اس کے سوا کسی کی نہ پوجو۔ یہی سیدھا دین ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے ـــــــ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے لائے ہوئے نظامِ حکومت میں حقِ حکومت صرف اللہ تعالیٰ کو ہے، بندے کے حاکم ہونے کا کوئی تصور نہیں۔ حضرت قائدِ اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ۱۹۴۸ء میں کراچی میں اسی حقیقت کا اعلان فرمایا:

"اسلامی حکومت کے تصور کا یہ امتیاز پیشِ نظر رہنا چاہیے کہ اس میں اطاعت اور وفاکیشی کا مرجع خدا کی ذات ہے ... اسلام میں اصلاً نہ کسی بادشاہ کی اطاعت ہے، نہ پارلیمنٹ کی، نہ کسی شخص یا ادارے کی۔ قرآنِ کریم کے احکام ہی سیاست و معاشرت میں ہماری آزادی اور پابندی کی حدود متعین کر سکتے ہیں۔"

سورۂ آلِ عمران اور سورۂ شوریٰ میں وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ اور وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ کی رہنمائی کی طرف قائدِ اعظم

نے سبی دربار، بلوچستان میں ۱۴ر فروری ۱۹۴۸ کو توجہ دلائی اور کاروبارِ حکومت میں مشاورت کی اہمیت واضح کی۔

غرض قائدِ اعظم محمد علی جناحؒ اسلام کے شیدا تھے۔ اسلام کے معمل کے طور پر الگ مملکت حاصل کرنے کے لیے اُنہوں نے اپنی ساری صلاحیتیں وقف کر دی تھیں اور بالآخر ۱۴ر اگست ۱۹۴۷ کا دن ان کی صلاحیتوں کے امتحان میں کامیابی کا دن بن کر سامنے آیا۔ انہوں نے دستورِ پاکستان کی سمت بھی بتا دی تھی لیکن انہیں موت نے مہلت نہ دی کہ وہ اسلام کے متعین کردہ خطوط پر دستورِ پاکستان مرتب کر سکیں۔

قائدِ اعظم اور عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

قائدِ اعظم محمد علی جناح (رحمۃ اللہ علیہ) سچے مسلمان تھے اور ایک مسلمان کے لیے حضور فخرِ موجودات علیہ السلام والصلوٰۃ کی محبت سے زیادہ کوئی چیز پیاری نہیں ہوتی۔ اگر ان کی محبت نہیں تو ایمان کا دعویٰ بے بنیاد ہے —— اور قائدِ اعظمؒ تو وہ تھے جنہوں نے تعلیماتِ اسلامیہ کو اپنے پیشِ نظر رکھا اور مسلمانوں کے تشخص و تحفظ کے بقا کے لیے ایک الگ مملکت کا نہ صرف مطالبہ کیا بلکہ ہندوؤں، انگریزوں اور ان کے گماشتوں سے منوا کر دم لیا۔ پاکستان کے دشمن علما نے خاص طور پر انہیں اپنے فتووں کی کلوخ اندازی کا ہدف بنایا، انہیں دین سے بیگانہ قرار دیا، انہیں کافرِ اعظم تک تک کہا۔ لیکن ان کی اسلام اور پیغمبرِ اسلام (علیہ الصلوٰۃ والسلام) سے محبت کبھی ڈھکی چھپی نہ رہی اور آخر کار رنگ لائی۔

جب وہ وکالت کا امتحان پاس کرنے کے لیے انگلستان گئے تو اُنہوں نے محض اس لیے وہاں کی مشہور تعلیمی درس گاہ "لنکن اِن" میں داخلہ لیا کہ اس کے دروازے پر حضور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی تحریر تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انہیں شروع ہی سے اپنے آقا و مولا علیہ التحیۃ والثناء سے عشق تھا۔

۹ مارچ ۱۹۴۴ء کو حضرتِ قائدِاعظمؒ نے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں تقریر کرتے ہوئے عربوں کی حالت کے متعلق جوزف ہل (JOSEPH HELL) کی کتاب کا اقتباس پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ عربوں میں دو بڑی خرابیاں پائی جاتی تھیں۔ ایک تو یہ کہ وہ قومی اتحاد کے شعور سے محروم تھے اور وہ صرف قبیلوں اور خاندانوں سے آشنا تھے۔ دوسرے یہ کہ ان میں اطاعت کا جذبہ اور احساس مفقود تھا۔ قائد نے فرمایا اگر دیکھا جائے تو یہی بات برصغیر ہندوستان کے مسلمانوں پر بھی صادق آتی ہے۔ پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر مہذب لوگوں کو لے کر ایک عظیم اور طاقتور قوم میں ڈھال دیا۔ ہماری پشت پر تمدن و ثقافت کی عظیم روایات ہیں اور ہم میں عظیم قوم کی حیثیت سے اُبھرنے کا جوہر پایا جاتا ہے۔ ہم ان شاءاللہ اپنی قوم کو عظیم بنائیں گے اور جب یہ کام سرانجام دے لیں، پاکستان ہماری دسترس میں ہوگا۔"

ملاحظہ فرمایا آپ نے۔ بابائے قوم کیسا پاکستان حاصل کرنا چاہتے تھے، ان کے پیشِ نظر پاکستان کی تعمیر و ترقی کے لیے کون سی راہِ عمل تھی۔ وہ آقا حضورؐ کے اُسوۂ حسنہ کی رہنمائی کے تصدق پاکستان حاصل کرنا چاہتے تھے۔

۱۴-جنوری ۱۹۴۶ء کو گجرات ایجوکیشنل کانفرنس کے چوتھے اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے بانیٔ پاکستان نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منسوب ایک حدیث (اُطلبوا العلم ولو کان بالصین) کے حوالے سے فرمایا "پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے پیروؤں پر لازم ٹھہرایا ہے کہ وہ علم حاصل کرنے کے لیے چین بھی جائیں۔ یہ حکم ان دنوں میں دیا گیا تھا جن دنوں میں ذرائع رسل و رسائل کی سہولت حاصل نہ تھی۔ اب

سچے مسلمانوں کو اور اسلام کے شاندار ورثے کے پیروکاروں کی حیثیت سے، مسلمانوں کو تمام مواقع سے استفادہ کرنا چاہیے۔ حصولِ تعلیم کے مقصد کے مقابلے میں وقت یا ذاتی آرام و آسائش کی قربانی کو ترجیح نہیں دینی چاہیے۔"

سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے لیے زندگی گزارنے کے تمام اصول و ضوابط مقرر فرما دیے ہیں۔ حضورؐ کی تعلیم میں معیشت، معاشرت، سیاست اور دیگر تمام پہلوؤں سے رہنمائی موجود ہے۔ اور اسی لیے جب تک ہم یہ یقین نہ کرلیں کہ قانونِ مصطفویؐ ہی میں ہماری بقا ہے اور اسی سے مسلمانوں کا انفرادی اور اجتماعی نظام سنور سکتا ہے، ہم صحیح معنوں میں مسلمان کہلانے کے حق دار نہیں۔ قائدِاعظمؒ کو اسلام کی تعلیمات اور رسولِ پاکؐ کے ارشادات و فرمودات کے پیشِ نظر اس حقیقت کا شعور تھا اور وہ اس کا اظہار بھی کرتے رہتے تھے۔ شاہی دربار سبی میں تقریر کرتے ہوئے ۱۴-فروری ۱۹۴۷ کو آپ نے کہا:

"میرا ایمان ہے کہ ہماری نجات اُس اُسوۂ حسنہ پر چلنے میں ہے جو ہمیں قانون عطا کرنے والے پیغمبرِ اسلامؐ نے ہمارے لیے بنایا ہے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم اپنی جمہوریت کی بنیادیں صحیح معنوں میں اسلامی تصورات اور اُصولوں پر رکھیں۔"

پاکستان اسمبلی کے افتتاحی اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے ۱۴-اگست ۱۹۴۷ء کو اُنہوں نے مسلمانوں کو یاد دلایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکّہ کے موقع پر اپنے اور اسلام کے دشمنوں کو معاف کر دیا تھا، لَاتثریب علیکم الیوم کا اعلان مسلمانانِ دہر کے لیے ہمیشہ رہنما رہا ہے، مسلمانوں نے ہمیشہ اسی رواداری اور اسی جذبۂ ترحم سے کام لیا ہے جو اُن

کے آقا حضورؐ نے انہیں سکھایا تھا۔ قائد نے کہا۔

"شہنشاہِ اکبر نے غیر مسلموں کے ساتھ جو خیر سگالی اور رواداری کا برتاؤ کیا، وہ کوئی نئی بات نہ تھی۔ اس کی ابتدا آج سے تیرہ سو سال پہلے ہی ہمارے رسولؐ نے کر دی تھی۔ اُنہوں نے زبان ہی سے نہیں بلکہ عمل سے بھی یہود و نصاریٰ پر فتح حاصل کرنے کے بعد نہایت اچھا سلوک کیا۔ ان کے ساتھ رواداری برتی اور ان کے عقائد کا احترام کیا۔ مسلمان جہاں کہیں بھی حکمران رہے، ایسے ہی رہے۔ ان کی تاریخ دیکھی جائے تو وہ ایسے ہی انسانیت نواز اور عظیم اصولوں کی مثالوں سے بھری پڑی ہوگی جن کی ہم سب کو تقلید کرنی چاہیے۔"

قیامِ پاکستان کے بعد پہلی عیدِ میلادالنبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے موقع پر حضرت قائدِ اعظم علیہ الرحمہ نے ۱۲۔ ربیع الاول ۱۳۶۷ ہجری کو کراچی بار ایسوسی ایشن سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

"آج ہم لوگ یہاں ایک "حقیر اجتماع" کی صورت میں اس عظیم ترین شخصیت کو خراجِ عقیدت ادا کرنے کے لیے جمع ہوئے ہیں جس کی تقدیس نہ صرف یہ کہ کروڑوں دلوں میں موجزن ہے بلکہ جس کے سامنے دنیا کی تمام بڑی بڑی شخصیتوں کا سرِ احترام واکرام بھی خم ہے، میں ایک عاجز، انتہائی خاکسار بندۂ ناچیز اتنی عظیم ہستیوں سے بھی عظیم ہستی کو بھلا کیا اور کس طرح نذرانۂ عقیدت کر سکتا ہوں۔

حضور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم عظیم مصلح تھے، عظیم معلم تھے، عظیم واضعِ قانون تھے، عظیم مدبر تھے، عظیم فرمانروا تھے، جنہوں نے بہترین حکومت کر کے دکھائی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ بہت سے لوگ ایسے بھی ہیں کہ ہم جب اسلام کی گفتگو کرتے ہیں تو وہ اس کو بالکل نہیں سمجھتے لیکن

حقیقت یہ ہے کہ اسلام صرف چند مناسک اور روایات اور روحانی تعلیمات ہی کا مجموعہ نہیں ہے، اسلام ایک ضابطۂ حیات ہے جو ہر مسلمان کی زندگی کو مرتب و منظم کرتا ہے اور اس کے طرزِ عمل کو درست رکھتا ہے —— —— حتیٰ کہ سیاسیات اور معاشیات میں بھی وہی رہنمائی کرتا ہے۔ یہ ضابطۂ حیات، عزت واحترام، دیانت، حُسنِ عمل اور عدل وانصاف کے بلند ترین اصولوں پر مبنی ہے۔ وحدتِ ربانی اور مُساواتِ انسانی اسلام کے بنیادی اصولوں میں سے نہایت اہم اصول ہیں۔ اسلام میں آدمی آدمی میں کوئی تفریق نہیں ہے۔ مساوات، حُریت، اور اخوت اسلام کے بنیادی اصولوں میں ہیں۔

حضور رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی انتہائی سادہ تھی، آپ نے جس کام میں بھی ہاتھ ڈالا، کامیابی نے آپ کے قدم چومے۔ تجارت سے لے کر حکمرانی اور فرمانروائی تک، ہر شعبۂ حیات میں آپ مکمل طور پر کامیاب رہے۔ حضور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پوری دنیا کی عظیم ترین ہستی تھے۔"

قائدِ اعظم کی بہادر یار جنگ سے پہلی ملاقات عیدِ میلادالنبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک جلسے میں (شاید ۱۹۳۴ء) بمبئی میں ہوئی تھی۔ بہادر یار جنگ بہت بڑے خطیب تھے اور ان کی خصوصیت یہی تھی کہ وہ عیدِ میلادالنبیؐ کے جلسوں میں خطاب کیا کرتے تھے۔ قائدِ اعظم ان سے ملے تو دونوں ایک دوسرے سے اتنے متاثر ہوئے کہ بہادر یار جنگ نے پاکستان کے حصول کی لڑائی میں قائدِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے معتمد ساتھی کا کردار ادا کیا اور زندگی بھر دونوں میں اعتماد، خلوص اور مقصد کی لگن کا رشتہ قائم رہا۔

کی قسمت کا فیصلہ کرنے کا اختیار دے۔ ہم کوئی ایسا نظام حکومت قبول نہیں کر سکتے جس کی رو سے ایک غیر مسلم اکثریت محض تعداد کے بل بوتے پر ہم مسلمانوں پر حکومت کرے اور ہمیں اپنا فرمانبردار بنا لے۔"

۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کو مسلم لیگ کے اجلاس (لاہور) میں یہ تشریح کی گئی کہ "قومیت کی تعریف چاہے جیسے کی جائے، مسلمان اس تعریف کی رُو سے ایک الگ قوم کی حیثیت رکھتے ہیں اور اس لیے اس بات کے مستحق ہیں کہ ان کی اپنی الگ مملکت اور اپنی جداگانہ خود مختار ریاست ہو..... اسلام اور ہندو دھرم محض مذاہب نہیں ہیں بلکہ درحقیقت وہ دو مختلف معاشرتی نظام ہیں۔ چنانچہ اس خواہش کو خواب و خیال ہی کہنا چاہیے کہ ہندو اور مسلمان مل کر ایک مشترکہ قومیت تخلیق کر سکیں۔" اس کے باوجود حیرت ہے ان نام نہاد علما کی "عقل و بصیرت" اور "اسلام دانی" پر کہ وہ "متحدہ قومیت" کو اسلام کی رو سے برحق گردانتے رہے اور سادہ لوح مسلمانوں کو دین کے نام پر گمراہ کرنے کی ناکام کوشش میں مصروف رہے۔

نومبر ۱۹۴۰ء میں مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن دہلی کے اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے بابائے قوم نے فرمایا "ہندوؤں کو چاہیے کہ وہ ہندو راج کے خواب دیکھنا چھوڑ دیں اور ہندوستان کو مسلم ہندوستان اور ہندو ہندوستان میں تقسیم کرنے پر راضی ہو جائیں۔"

۲۔ مارچ ۱۹۴۱ء کو پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے اجلاس میں آپ نے کہا۔ "ہم ایک قوم ہیں اور ایک قوم کو رہنے کے لیے ایک علاقہ چاہیے۔ قوم زمین پر رہتی ہے اور اس زمین پر اس کی حکمرانی ہونی چاہیے۔ قوم کو مخصوص علاقے میں آزاد مملکت چاہیے۔" ۲۔ نومبر ۱۹۴۱ء کو مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں انہوں نے فرمایا "میں ہندوؤں سے کہتا ہوں کہ تین چوتھائی ہندوستان لے لو اور میرے

قائداعظمؒ اور نظریۂ پاکستان

نظریۂ پاکستان دراصل دو قومی نظریہ ہے جس کی بنیاد یہ ہے کہ مسلمانوں کا ہندوؤں (یا کسی بھی اور قوم) سے الگ تشخص و تخصص ہے، اس کی مذہبی، سیاسی، اور معاشرتی انفرادیت میں کوئی قوم اس کی شریک نہیں۔ قائداعظمؒ نے ۸ مارچ ۱۹۴۴ کو مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں بڑے بلیغ انداز میں اس نظریے کو اس فقرے میں بیان کر دیا تھا کہ "پاکستان اُسی دن وجود میں آگیا تھا، جب ہندوستان میں پہلا ہندو مسلمان ہوا تھا۔"

اسی لیے دو قومی نظریہ اس حقیقت پر ختم نہیں ہو جاتا کہ ہم نے پاکستان حاصل کر لیا بلکہ حصول پاکستان تو اس نظریے کی طرف ہمارا پہلا قدم بنتا ہے۔ کیونکہ اگر پاکستان حاصل کرنے کے بعد بھی ہم بعض رسوم میں ہندوؤں یا دیگر غیر ملکی اثرات کے تابع ہوں، سیاست کرنے کے گُر مغرب کے شاطروں سے سیکھنے کو اہم سمجھیں، معیشت کے لیے کسی یہودی کے در پر دریوزہ گری کریں تو ہمارا نظریہ کیا ہوا؟

اور ہم نے جس نظریے کے نام پر الگ مملکت کا مطالبہ کیا تھا اور پھر قائداعظمؒ کی قیادت میں اپنے مقصد کو پا لینے کی سعادت حاصل کی تھی، کیا ہم نے اس کو دوسروں کے قدموں میں ضائع اور زائل کر دینے کی حماقت نہ کی ——؟؟ دیکھنا چاہیے کہ کیا واقعی قائدؒ کے نزدیک مسلمانوں کا علیحدہ تشخص ہی پاکستان کے لیے جدّوجُہد کی بنیاد بنا تھا اور اگر یہی تھا تو پاکستان بن جانے کے بعد ہم نے اس

ایک چوتھائی پر حسد نہ کرو۔ مجھے اپنی اسلامی تاریخ کی روشنی میں اپنی روایات، اپنی ثقافت، اپنی زبان کو برقرار رکھتے ہوئے زندگی بسر کرنے دو اور تم بھی اپنے صوبوں میں یہی کرو۔"

یکم جولائی ۱۹۴۲ء کو ایسوسی ایٹڈ پریس آف امریکہ کو بیان دیتے ہوئے قائداعظمؒ نے کہا، "ہم مسلمان اپنی تابندہ تہذیب اور تمدن کے لحاظ سے ایک قوم ہیں۔ زبان و ادب، فنونِ لطیفہ، فنِ تعمیر، نام و نسب، شعور اقدار و تناسب؛ قانون و اخلاق، رسم و رواج، تاریخ و روایات اور رجحان و مقاصد، ہر لحاظ سے ہمارا اپنا انفرادی زاویۂ نگاہ اور فلسفۂ حیات ہے۔"

۲۔ نومبر ۱۹۴۵ء کو پشاور کے جلسۂ عام میں آپ نے اعلان کیا "ہمارا کوئی دوست نہیں ہے۔ ہمیں نہ انگریزوں پر بھروسہ ہے نہ ہندو بنیے پر۔ ہم دونوں کے خلاف جنگ کریں گے، خواہ وہ آپس میں متحد کیوں نہ ہو جائیں۔"

۲۰۔ مارچ ۱۹۴۷ء کو میمن چیمبر آف کامرس بمبئی میں آپ نے فرمایا "انگریز جا رہے ہیں، انہیں یہاں سے جانا ہی پڑے گا لیکن وہ متحدہ ہندوستان کا راگ کیوں الاپ رہے ہیں۔ وہ اس راز کو خود ہندوستانیوں سے زیادہ جانتے ہیں، ان کی نجات اسی میں ہے، وہ جانتے ہیں کہ جب تک وہ متحدہ ہندوستان پر مُصر رہیں گے، تباہی بربادی اور قتل و خون کا دور دورہ رہے گا، انگریزوں کی یہی چال رہی ہے۔"

قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ کے ان افکار و نظریات کی روشنی میں ضروری ہے کہ ہم اپنے کردار و اعمال کا جائزہ لیں کہ ہم میں سے ہر شخص نے نظریۂ پاکستان کی پاسداری میں کیا کیا ہے۔ ہم زندگی کے مختلف شعبوں میں اپنے تشخص کو برقرار رکھنے کی پالیسی پر گامزن ہیں یا دوسروں کی تقلید کرکے نظریۂ پاکستان کو بے روح کرنے کے راستوں کے راہی ہیں۔ ؟ ؟

نظریے کے ساتھ جو کچھ کیا، اس پر ہمارے گریبان کیا گواہی دیتے ہیں ----!

۳۱ دسمبر ۱۹۱۶ء کو مسلم لیگ کے اجلاس منعقدہ لکھنؤ میں محمد علی جناح نے کہا۔ "مسلم لیگ کا سب سے بڑا اصول یہ تھا کہ ہندی مسلمانوں کی علٰحدہ قومیت کو برقرار رکھا جائے۔ اس اصول نے سیاسی ارتقا کے ساتھ ہماری قوم میں بڑی مقبولیت حاصل کی"۔ یاد رہے کہ یہ ۱۹۱۶ء ہے جب ابھی قائداعظم ہندو مسلم اتحاد کے بڑے زبردست داعی تھے لیکن مسلمانوں کی علٰحدہ قومیت کے احساس کو قوم میں بیدار کرنے کی بات زور سے کرتے رہے۔ قائداعظمؒ کے (۱۹۲۹ء) میں چودہ نکات میں سے بارھواں نکتہ مسلمانوں کی تہذیب، تمدن، زبان، تعلیم، مذہب، پرسنل لا اور اوقاف کے تحفظ پر مشتمل تھا۔

۱۹۳۱ء کی گول میز کانفرنس میں انہوں نے واشگاف الفاظ میں کہا "جب تک آپ مسلمانوں کے حقوق کے تحفظ کی ضمانت نہ دیں جس کی بنا پر وہ حکومت ہند کے آئندہ دستور کے تحت مکمل سلامتی اور خودمختاری محسوس کرنے لگیں؛ ۔۔۔۔ اس وقت تک جو دستور بھی آپ ہندوستان کے لیے بنائیں گے، چوبیس گھنٹے بھی نہ چل سکے گا۔" یہی بات قائد نے ۵ فروری ۱۹۳۸ء کو مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں کی۔ مسلم لیگ کے اجلاس بمبئی منعقدہ ۱۲۔ اپریل ۱۹۳۶ء میں انہوں نے فرمایا "کانگرس مسلمانوں کی مدد کے بغیر اپنے مقصد میں ہرگز ہرگز کامیاب نہیں ہو سکتی لیکن جہاں تک ہمارا تعلق ہے، ہمیں چاہیے کہ اپنی تنظیم کرکے آزادی کے لیے قدم آگے بڑھائیں، اگر ہم کامیاب ہوئے تو کانگرس کو مجبوراً سرِتسلیم خم کرنا ہو گا۔"

۱۵۔ اکتوبر ۱۹۳۷ء کے مسلم لیگ کے لکھنؤ اجلاس میں انہوں نے کہا "صرف ایک چیز مسلمانوں کو بچا سکتی ہے اور ان میں کھویا ہوا وقار بحال کرنے کی قوت پیدا کر سکتی ہے۔ انہیں اپنی روحوں کو دوبارہ تسخیر کرکے ان عظیم روایات اور

اصولوں پر سختی سے جم جانا چاہیے جو اُن کے زبردست اتحاد کی بنیاد ہیں۔ اور جو اُن کو ایک ہی سیاسی جماعت کے رشتے میں منسلک کرتے ہیں۔" ۱۷۔ اپریل ۱۹۳۸ء کو مسلم لیگ کے اجلاس (کلکتہ) میں آپ نے فرمایا: "مسلم لیگ کانگرس یا دیگر ایسی جماعتوں کے ساتھ مساوات کا دعویٰ کرتی ہے۔ جب تک مسلمانوں کے قالب میں روح ہے، وہ کانگرس کا غلام بننا ہرگز گوارا نہ کریں گے۔"

مسلم لیگ کے اجلاس (پٹنہ) میں ۲۶ دسمبر ۱۹۳۸ء کو انہوں نے حصولِ مقصد کے آغاز کا اعلان کر دیا۔ "سروں کا گننا (رائے شماری) اچھی بات سہی لیکن گنتی قوموں کی تقدیر کا فیصلہ نہیں کر سکتی۔ ابھی آپ کو قومیت اور قومی انفرادیت پیدا کرنی ہے۔ یہ بڑا کام ہے اور ابھی آپ نے اسے شروع ہی کیا ہے۔ جو ترقی ہو چکی ہے وہ معجزے سے کم نہیں لیکن اس کے باوجود ہنوز کام کا آغاز ہے۔"

مسلمانانِ ہند کے عظیم رہنما نے اسلام اور مسلمانوں کی انفرادیت کا اعلان ۲۲ مارچ ۱۹۳۹ء کو مرکزی اسمبلی میں ان الفاظ میں کیا "تم دونوں (ہندو اور انگریز) متحد ہو کر بھی ہماری روح کو فنا کرنے میں کبھی کامیاب نہ ہو سکو گے۔ تم اس تہذیب کو کبھی مٹا نہ سکو گے، جو ہمیں ورثے میں ملی ہے۔ ہمارا نورِ ایمان زندہ ہے، ہمیشہ زندہ رہا ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گا۔" اسی سال عربک کالج دہلی میں انہوں نے کہا: "دولتِ برطانیہ ہندوستان پر حکومت کرنا چاہتی ہے اور گاندھی جی مسلم ہندوستان پر حکومت کے خواب دیکھتے ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ ہم دونوں کو حکومت نہ کرنے دیں گے۔ خواہ متحد ہو کر یا تنہا کوشش کر دیکھیں۔"

مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں ۶ مارچ ۱۹۴۰ء کو دو قومی نظریے کے حوالے سے انہوں نے اسلام اور جمہوریت کا یوں موازنہ کیا "جہاں تک مجھے اسلام کا علم ہے، وہ ایسی جمہوریت کی وکالت نہیں کرتا جو غیر مسلم اکثریت کو مسلمانوں

ہو سکو گے۔ تم اس تہذیب کو کبھی مٹا نہ سکو گے، اس اسلامی تہذیب کو جو ہمیں ورثے میں ملی ہے۔ ہمارا نورِ ایمان زندہ ہے۔ ہمیشہ زندہ رہا ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گا۔"

مسلم یونیورسٹی علیگڑھ کے طلبہ سے خطاب کرتے ہوئے قائد نے ۶ مارچ ۱۹۴۰ء کو فرمایا۔ "انہوں نے سمجھا کہ مسلمان محض ایک اقلیت ہیں جن پر ہندو اکثریت کو حکومت کرنا چاہیے، لیکن مسلمان کسی اعتبار سے بھی یورپی ملکوں کی اقلیتوں کی طرح اقلیت نہیں ہیں۔ ہم ایک علیحدہ اور ممتاز قوم ہیں اور ہمارا ایک نصب العین ہے۔ ہم کوئی ایسا نظام حکومت قبول نہیں کر سکتے جس کی رو سے ایک غیر مسلم اکثریت محض تعداد کی بنا پر ہم مسلمانوں پر حکومت کرے اور ہمیں اپنا فرمانبردار سمجھے۔"

پاکستان کے بارے میں حضرتِ قائدِ اعظم نے اپنے خیالات کا واضح اظہار ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کو لاہور میں آل انڈیا مسلم لیگ کے تاریخی اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے کیا۔ اُنہوں نے فرمایا: "ہندو اور مسلمان دو مختلف مذہبی فلسفوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کے معاشرتی رواج الگ الگ ہیں، ان کا ادب الگ ہے۔ یہ ایک دوسرے کے ساتھ شادی بیاہ کے ناتے نہیں کرتے۔ ایک دوسرے کے ساتھ کھانا نہیں کھاتے۔ سچ پوچھو تو یہ دو مختلف تہذیبوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور تہذیبیں بھی ایسی کہ سوچ کا انداز ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہے۔ زندگی کے بارے میں ہندوؤں اور مسلمانوں کے خیالات اور تصورات الگ الگ ہیں۔ پھر یہ بات بھی واضح ہے کہ یہ تاریخ کے دو مختلف سرچشموں سے روشنی حاصل کرتے ہیں۔ ان کی رزمیہ داستانیں الگ ہیں۔ ہیرو الگ ہیں، قابلِ فخر تاریخی کارنامے الگ ہیں۔ اکثر اوقات جسے ایک قوم ہیرو مانتی ہے، اسی کو دوسری قوم دشمن جانتی ہے۔ جسے ایک قوم جیت مانتی ہے، اسے دوسری قوم اپنی ہار سمجھتی ہے۔ پس ان کی تاریخیں

قائدِاعظمؒ اور پاکستان

قائدِاعظم محمد علی جناح رحمہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے تشخص کی حفاظت کے لیے الگ ملک کے قیام کی جدوجہد کر رہے تھے تاکہ برِصغیر کے جس حصے پر مسلمانوں کی اکثریت ہے، وہاں وہ اپنے دین کی رہنمائی میں زندگی گزاریں اور اپنی بہتری کے لیے ضروری اقدامات کرنے میں آزاد ہوں۔ جولائی ۱۹۴۳ء میں جب آپ پہلی بار بلوچستان تشریف لے گئے تو دوسرے دن اُردو میں تقریر فرمائی۔ پاکستان کی تائید میں اُنھوں نے یہ دلیل دی کہ کانگرس کے لیڈر اور مسٹر گاندھی کہتے ہیں کہ ان کی سمجھ میں نہیں آتا کہ پاکستان کیا ہے۔ میں اُن سے پوچھتا ہوں، اگر وہ پاکستان کا مطلب نہیں سمجھتے تو مخالفت کس چیز کی کرتے ہیں۔ اس ضمن میں اُنھوں نے ایک واقعہ بھی سُنایا۔ وہ اپنی تقریر کو ہاتھوں کی مدد سے سمجھانے کی کوشش کرتے تھے۔ اُنھوں نے کچھ یوں فرمایا: "ہم سی پی میں ٹریول (سفر) کرتا۔ میل ٹرین چھوٹا سٹیشن پالٹ ہوا (رُکی)، ریلوے لائن انڈر ریپئر (زیرِ مرمت) تھا۔ ہم پلیٹ فارم پر واک کرتا (ٹہلتے)، اُدھر مسلمان لیبر لوگ (مزدور) شاؤٹ کرتا (نعرے لگاتے)، قائدِاعظم زندہ باد، پاکستان زندہ باد۔ ہم اُدھر گیا۔ پوچھا: "تم جانتا، پاکستان کیا ہے؟" وہ بولا۔ ہم جانتا۔ ہم پوچھا۔ ہم کو بتانا مانگتا۔ پاکستان کا کیا مطلب۔ ایک لیبر بولا۔ جدھر مسلمان بہت مجارٹی (اکثریت)، والا، اُدھر پاکستان، جدھر ہندو مجارٹی، اُدھر ہندوستان۔ ہم بولا۔ تم اِدھر مجارٹی نہیں، اِدھر ہندو راج۔ تم کو کیا ملنا مانگتا۔

الگ ہیں ـــــــ قوم کی کوئی بھی تعریف کیجئے، اس کے مطابق مسلمان ایک الگ قوم ہیں۔ اس لیے انہیں حق حاصل ہے کہ اپنا الگ قومی وطن بنائیں۔ اپنے علاقے الگ کرلیں، اپنی الگ مملکت بنائیں۔"

۲۴ مئی ۱۹۴۴ء کو انھوں نے فرمایا "ہمارا نصب العین اور ہماری جدوجہد کسی فرقے اور قوم کو نقصان پہنچانا نہیں ہے اور نہ ہی دوسروں کی ترقی میں رکاوٹ ڈالنا ہمارا منشور ہے، بلکہ ہم اپنی حفاظت آپ کرنا چاہتے ہیں۔ ہم اس ملک میں باعزت اور آزاد انسانوں کی طرح زندہ رہنا چاہتے ہیں اور آزاد ہندوستان میں آزاد اسلام کی تمنا رکھتے ہیں۔"

۱۹۴۱ء میں آپ نے اسلامی ضابطۂ حیات کی روح بیان کرتے ہوئے حیدرآباد دکن میں فرمایا "اسلامی حکومت میں اطاعت اور وفاکیشی کا مرجع خدا کی ذات ہے جس کی تعمیل کا عملی ذریعہ قرآن مجید کے احکام و اصول ہیں۔ اسلام میں اصلاً نہ کسی بادشاہ کی اطاعت ہے نہ پارلیمان کی، نہ کسی اور شخص یا ادارے کی۔ قرآن کریم کے احکام ہی سیاست و معاشرت میں ہماری آزادی اور پابندی کی حدود متعین کرتے ہیں۔"

۱۱ نومبر ۱۹۴۴ء کو قائد نے لاہور میں مسلم خواتین سے خطاب کرتے ہوئے کہا "ہم ایسی حکومت کے لیے علاقہ مانگ رہے ہیں جس میں عدل و انصاف کی تاریخ دہرائیں گے۔"

۱۹۴۵ء میں قوم کے نام عید کے پیغام میں اُنھوں نے فرمایا "اس حقیقت سے سوائے جُہلا کے ہر شخص واقف ہے کہ قرآن مسلمانوں کا ضابطۂ اخلاق ہے جو مذہب، معاشرت، تجارت، عدالت، فوج سول اور فوجداری کے تمام قوانین کو اپنے اندر لیے ہوئے ہے۔ مذہبی رسوم ہوں یا روزمرّہ زندگی کے معاملات، روح

وہ بولا، ہمارا بہت مسلمان بھائی آزاد ہوگا، راج بنائے گا، ہم خوش ہوگا ——— ایک مسلمان لیبر الشریٹ ان پڑھ، جانتا، پاکستان کیا ہے، مسٹر گاندھی نہیں جانتا"۔

بابائے قوم نے جس پاکستان کا مطالبہ کیا تھا، اس کا خاکہ یہ تھا کہ جن صوبوں میں مسلمانوں کی اکثریت ہے، وہ صوبے بنگال، آسام، پنجاب، سندھ، صوبہ سرحد اور بلوچستان ہیں، انگریز کے چلے جانے کے بعد ان کی حکومت مسلمانوں کے اور بقیہ ہندوستان کی حکومت ہندوؤں کے سپرد کی جائے۔ اسی طرح سے جن ریاستوں کی آبادی مسلمانوں کی اکثریت پر مشتمل ہے، وہ پاکستان میں ضم ہو جائیں۔ جن میں ہندو آبادی کی کثرت ہے، وہ بھارت میں مدغم ہو جائیں۔

دسمبر ۱۹۳۰ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کے الہ آباد اجلاس میں علامہ اقبالؒ نے صدارتی خطبے میں کہا کہ مسلمان قوم کو اگر عزت کی زندگی بسر کرنا ہے اور اپنے سیاسی اور معاشی نظام کو عمل میں لانا ہے تو اس کی بہتر صورت یہی ہوگی کہ ان کے اکثریتی صوبے ایک الگ ملک بن جائیں۔ یہ درست ہے کہ یہ مسلمانوں کے الگ ملک کے حصول کے لیے پہلی باقاعدہ آواز تھی۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس کی بنیاد بھی قائدِ اعظمؒ کے چودہ نکات تھے جو انہوں نے مارچ ۱۹۲۹ء کو آل انڈیا مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس دہلی میں پیش کیے اور سب مسلمان رہنماؤں نے ان مطالبات سے اتفاق کیا تھا۔

۲۲ مارچ ۱۹۲۹ء کو مرکزی قانون اسمبلی میں ہندوؤں اور انگریزوں سے خطاب کرتے ہوئے قائدِ اعظم (علیہ الرحمہ) نے فرمایا، "تمہاری تعداد سب سے زیادہ ہوا کرے۔ تم ترقی یافتہ سہی، تمہاری معاشی حالت مضبوط سہی، اور تم سمجھا کرو کہ سروں کی گنتی ہی آخری فیصلہ ہے لیکن میں تمہیں بتائے دیتا ہوں، تم دونوں کو، کہ تم تنہا یا دونوں مل کر بھی ہماری روح کو فنا کرنے میں کبھی کامیاب نہ

قائدِ اعظمؒ اور تعمیرِ ملت

برِ صغیر پر انگریزوں کے عہدِ حکومت میں بہت سے مسلمان سیاسی رہنما میدان میں آئے اور انہوں نے بساطِ بھر مسلمانوں کی رہنمائی کا فریضہ ادا کیا۔ لیکن عامۃ المسلمین کا جتنا اعتماد قائدِ اعظمؒ کو حاصل ہوا، وہ کسی اور رہنما کے حصے میں نہ آسکا۔ ایسے مسلمان رہنما جنہوں نے جذباتی انداز میں مسلمانوں کی "رہنمائی" کی، مثلاً خلافت کمیٹی کے رہنما ——— ان کی جذباتی تقریروں سے مسلمان عوام نے اپنی جانیں اور اپنے مال، سب کچھ اُن کے کہنے پر قربان کر دیا لیکن جلد ہی ان کے سحر سے نکل آئے۔ کیونکہ جذباتی تقریروں اور ہنگامی نعروں کا انحصار کسی مضبوط فکری بنیاد پر نہیں ہوتا۔ اس کے برعکس قائدِ اعظمؒ نے تعمیرِ ملت کی جو راہ اختیار کی، اس کی بنیاد جذباتیت کے بجائے ٹھوس اور مثبت سوچ تھی۔ انہوں نے ہمیشہ سیدھے سادے لفظوں میں عوام سے خطاب کیا، کبھی خطابت کے جوہر سے لوگوں کو مرعوب کرنے کی نہیں ٹھانی بلکہ مسلمانوں کو قومی معاملات پر غور و فکر کی دعوت دیتے ہوئے ان کے مسائل کا حل تجویز کیا۔

ایسے ماحول میں جب بڑے بڑے جغادری علما خدا اور رسولؐ کا نام لے کر عامۃ المسلمین کو "ہندو مسلم اتحاد" کے دام ہم رنگِ زمین میں پھنسانے کی کوششوں میں مصروف تھے اور اسی "فراڈ" کو ان کے مسائل کا حل بھی قرار دے رہے تھے

کی نجات کا سوال ہو یا بدن کی صفائی کا۔ اجتماعی واجبات کا مسئلہ ہو یا انفرادی حقوق کا۔ ان تمام معاملات کے لیے اس ضابطے میں قوانین موجود ہیں۔"

ہندوستان کے آخری وائسرائے لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے گورنمنٹ ہاؤس دہلی میں اجلاس طلب کیا تو وائسرائے نے بتایا کہ برطانوی پارلیمنٹ نے تقسیم ہند کا حتمی فیصلہ کر لیا ہے۔ لیکن مسئلہ یہ ہے کہ اقتدار کس کے حوالے کر کے جائیں۔ اس پر گاندھی جی نے کہا کہ بات سیدھی سادی ہے، اقتدار کانگرس کے سپرد کر کے چلے جائیں۔ قائدِ اعظمؒ نے فرمایا۔ جن صوبوں میں مسلم آبادی ہے، ان کا اقتدار مسلمانوں کو ملنا چاہیے۔ بقیہ ہندوستان کی عنانِ اقتدار ہندو کانگرس کو دے دی جائے۔ گاندھی جی نے اعتراض کیا کہ کانگرس میں سب اقوام شامل ہیں۔ ہم مسلم لیگ اور جناح کو لیڈر اور نمائندہ تسلیم نہیں کرتے۔ قائدِ اعظم نے وائسرائے ہند کو مخاطب کرتے ہوئے چیلنج کیا کہ آپ سارے ہندوستان میں عام انتخابات کا اعلان کر دیں۔ میں اپنے نمائندوں کو مسلم لیگ کا ٹکٹ دے دوں گا اور گاندھی جی کانگرس کے ٹکٹ پر میدان میں آئیں۔ اگر مسلم لیگ جیت گئی تو میں مسلم اکثریت کے صوبوں کا اقتدار آپ سے چھین لوں گا۔ مسلم لیگ ہار گئی تو ایک بہادر جرنیل کی طرح سیاست کے میدان سے ہٹ جاؤں گا اور کھلی پیشانی سے اپنی شکست تسلیم کر لوں گا۔ یہ ۱۹۴۶ء کے عام انتخابات تھے جن میں مسلم لیگ بھاری اکثریت سے جیت گئی اور دشمنوں کو تسلیم کرنا پڑا کہ مسلم لیگ مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت ہے اور قائدِ اعظم واحد نمائندہ لیڈر ہیں۔

۱۱۔ جولائی ۱۹۴۶ء کو حیدر آباد دکن کے جلسۂ عام سے خطاب کرتے ہوئے قائدِ اعظم نے ان انتخابات کے متعلق کہا۔ "اس وقت میدانِ سیاست میں ہندو مسلمانوں کی جنگ ہو رہی ہے۔ لوگ پوچھتے ہیں، کون منتخب ہوگا؟ علم غیب خدا کو ہے لیکن میں ایک مسلمان کی حیثیت سے علی الاعلان کہتا ہوں کہ اگر ہم قرآنِ مجید کو اپنا آخری اور قطعی

اور قرآن و سنت کی تعلیمات کی رُوح بھی مضمر رہے تھے، قائدِ اعظم محمد علی جناح علیہ الرحمہ نے مسلمانوں کے تشخص و تحفظ کا نعرہ بلند کیا، اس کے لیے ایک مدبر کی حیثیت سے کام کیا اور کامیاب سیاستدان کی طرح اپنے نصب العین کو حقیقت کا روپ دینے کے لیے جدّو جُہد کی۔

گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء کے بعد صوبوں میں کانگرسی وزارتیں قائم ہوئیں اور اُنہوں نے مسلمانوں پر مظالم ڈھائے تو بابائے قوم نے مسلمانوں کو مسلم لیگ کے پرچم تلے متحد کیا۔ ۲۲۔ دسمبر ۱۹۳۹ء کو کانگرسی وزارتوں کے مستعفی ہونے پر قائدِ اعظم کی اپیل پر مسلمانوں نے یوم نجات منایا۔ ۲۳۔ مارچ ۱۹۴۰ء کو ایک علیحدہ مملکت کے قیام کے مطالبے نے مسلمانوں کی مشترکہ آواز کی حیثیت اختیار کر لی۔ قائدِ اعظم نے مسلمانوں میں علیحدہ قومیت کا زبردست شعور پیدا کیا۔

قیامِ پاکستان کے بعد حضرت قائدِ اعظمؒ نے پاکستان کے باسیوں کو تعمیرِ ملت کی مسلسل تلقین کی تاکہ پاکستان کے قیام کا مقصد پورا ہو سکے۔

۲۴ مارچ ۱۹۴۸ء کو ڈھاکہ یونیورسٹی کے جلسۂ تقسیم اسناد سے خطاب کرتے ہوئے بابائے قوم نے فرمایا "آزادی حاصل کرنے کے لیے لڑنے بھڑنے سے کہیں زیادہ دشوار تعمیری کام ہے۔ آزادی کے لیے جدّوجُہد کرنا اور جیل جانا کسی حکومت کو چلانے کے مقابلے میں کہیں آسان ہے۔" اُنہوں نے مزید فرمایا، "اب ہمیں جو چیز پیدا کرنی چاہیے وہ تعمیری جذبہ ہے۔"

۲۱۔ مارچ ۱۹۴۸ء کو ڈھاکہ میں جلسۂ عام سے خطاب کرتے ہوئے قائد نے تحریکِ قیامِ پاکستان کے حوالے سے فرمایا۔ "سب سے پہلے ہمیں اس فرق کو سمجھنا ہوگا کہ جو مسائل آج ہمیں درپیش ہیں، ان کی بابت ہمارا طرزِ عمل ان مسائل سے مختلف ہوگا جن سے ہم اُس وقت دوچار تھے، جب ہم آزادی اور

رہبر بنا کر شیوۂ صبر و رضا پر کاربند ہوں تو ہم تعداد میں کم ہونے کے باوجود فتح یاب ہوں گے۔"

قیامِ پاکستان کے بعد قائدِاعظمؒ نے "پاکستان" کا ذکر ان الفاظ میں کیا۔ "جس پاکستان کے قیام کے لیے ہم نے گزشتہ دس برس جدّ و جہد کی ہے، آج بفضلِ تعالیٰ ایک مسلّمہ حقیقت بن چکا ہے، مگر کسی قومی ریاست کو معرضِ وجود میں لانا مقصد بالذات نہیں ہو سکتا بلکہ کسی مقصد کے حصول کے ذریعے کا درجہ رکھتا ہے۔ ہمارا نصب العین یہ تھا کہ ہم ایک ایسی مملکت کی تخلیق کریں جہاں ہم آزاد انسانوں کی طرح رہ سکیں، جو ہماری تہذیب و تمدّن کی روشنی میں پھلے پھولے اور جہاں معاشرتی انصاف کے اسلامی تصوّر کو پوری طرح پنپنے کا موقع ملے۔"

(۱۱۔ اکتوبر، ۱۹۴۷ء کو سرکاری افسروں سے خطاب)

کرتے ہوئے انھوں نے فرمایا "ہم مسلمان ہیں اور محمدؐ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تعلیمات پر چلتے ہیں۔ ہم سب اسلامی اخوّت کے رشتے میں بندھے ہوئے ہیں جس کا تقاضا ہے، کہ حقوق، عزت اور مرتبے میں سب برابر ہیں۔ نتیجے میں ہمارے اندر اتّحاد کا ایک خاص اور گہرا احساس پایا جاتا ہے۔ ہماری اپنی تاریخ ہے، رِیتیں ہیں اور رسمیں ہیں اور احساس و شعور ہے، ہمارے سوچنے سمجھنے کے اپنے طریقے ہیں، ہمارا اپنا نقطۂ نظر ہے۔ یہ سب مل کر ہمارے اندر قومیت کا جذبہ پیدا کرتے ہیں۔ ہم سب ایک خدا، ایک کتاب قرآن پاک اور ایک رسولؐ پر یقین رکھتے ہیں۔ لہٰذا ہم سب کو مل کر ایک قوم ہی ہونا چاہیے۔ جب تک ہم متحد ہیں، سربلند اور طاقتور ہیں۔ اگر متحد نہیں تو کمزور اور خوار ہوں گے۔ میں چاہتا ہوں کہ ہر مسلمان حتی الامکان یہ کوشش کرے کہ آپس میں کامل اتّحاد و اتفاق پیدا ہو۔"

۱۵۔ جون ۱۹۴۸ء کو کوئٹہ کے شہریوں سے خطاب کرتے انھوں نے فرمایا: "ہر شخص کو اپنے وطن سے محبت اور اس کی خوشحالی کے لیے کوشش کرنی چاہیے۔"

قائدِاعظم رحمۃ اللہ علیہ نے تعمیرِ ملّت کے لیے کوشش کی، ملّت کو ایک پلیٹ فارم پر اکٹھا کیا، ان کی ترجمانی کی، انھیں اپنا ہم آواز بنایا تو پاکستان کا قیام ممکن ہوا، قیامِ پاکستان کے بعد جتنا تھوڑا سا عرصہ وہ زندہ رہے، انھوں نے اپنے ہر پل کو ملک کی ترقی اور ملّت کی تعمیر کے لیے صرف کیا، لوگوں کو تلقین کی کہ وہ بھی اسی راہ کے راہی بنیں کیونکہ اسی پر ان کی ملّی بقا کا انحصار ہے۔

قائدِ اعظم اور نظم و ضبط

قائدِ اعظم کو جاننے والے مسلم اور غیر مسلم معاصرین اور ان کی زندگی کے متعلق تھوڑی بہت واقفیت رکھنے والے لوگ بھی یہ جانتے ہیں کہ قائدِ اعظم نظم و ضبط کے پابند تھے۔ ان کی اپنی زندگی بھی اسی حقیقت کا آئینہ تھی اور انہوں نے مسلمانانِ ہند کو بھی یہی تبلیغ کی کہ وہ اپنی زندگیوں کو اور ملت کے کاموں میں مصروف تمام لمحوں کو نظم و ضبط کا آئینہ دار بنائیں۔ اتحاد اور یقینِ محکم کے ساتھ نظم و ضبط کا ان کا دعویٰ محض زبانی نہیں تھا۔ انہوں نے اپنی قوم کے منافقت مآب لوگوں کی طرح صرف اس کی تلقین نہیں کی تھی، بلکہ یہ صفت خود ان کی فطرت کا جزو تھی۔ ۱۹۴۶ء میں حیدرآباد دکن تشریف لے گئے۔ ہجوم جوشِ عقیدت سے بے قابو ہو گیا۔ قائد ہوائی جہاز کے دروازے تک آئے مگر بدنظمی دیکھ کر واپس اندر چلے گئے اور فرمایا "میں ایک مہذب قوم کا سربراہ بننا چاہتا ہوں، جب تک یہ بدنظمی ختم نہ ہو گی، جہاز سے نہ اتروں گا۔"

قائدِ اعظم علیہ الرحمہ جانتے تھے کہ قوموں کی حیات نظم و ضبط ہی کی اساس پر قائم رہتی ہے۔ چنانچہ انہوں نے پہلے کانگرس اور پھر مسلم لیگ کی تنظیم میں شبانہ روز محنت کی۔ قیامِ پاکستان کی جدوجہد میں مسلمانوں کو ہر قدم پر اس خصوصیت کو اپنانے کے لیے کہا اور خود اپنے آپ کو ایک نمونے کی طرح سب کے سامنے

خود مختاری کے لیے جدوجہد کر رہے تھے۔ پاکستان حاصل کرنے کی جدوجہد کے دوران میں ہم حکومت پر کڑی نکتہ چینی کرتے تھے جو ایک غیر ملکی حکومت تھی اسے بدل کر ہم اپنی حکومت قائم کرنا چاہتے تھے مگر یاد رکھیے، اب ایک انقلابی تبدیلی ہو چکی ہے۔ اب یہ ہماری اپنی حکومت ہے۔ اب ہم نے ایک آزاد، خود مختار اور حاکم مملکت بنا لی ہے۔ اب ہم کسی غیر ملکی اقتدار کے ہاتھوں مجبور اور لاچار نہیں ہیں، ہم نے وہ زنجیریں توڑ ڈالی ہیں، وہ بیڑیاں اتار پھینکی ہیں۔"

اسی تقریر میں آپ نے فرمایا "آپ یقین کیجیے، آپ کبھی ایک طاقتور قوم نہیں بن سکتے اور وہ چیز حاصل نہیں کر سکتے جو میں چاہتا ہوں کہ آپ حاصل کریں، جب تک آپ اس زہر (صوبائی تعصب) کو نہیں نکال پھینکیں گے، اس وقت تک آپ نہ خود کو مضبوط بنا سکتے ہیں اور نہ ایک حقیقی قوم کے سانچے میں ڈھل سکتے ہیں۔ اگر آپ ایسا چاہتے ہیں تو خدا کے لیے صوبائی تعصب کو چھوڑ دیجیے۔"

ڈھاکہ یونیورسٹی کے جلسۂ تقسیمِ اسناد (۲۴ مارچ ۱۹۴۸ء) سے خطاب کرتے ہوئے آپ نے فرمایا "آپ پر ایک زبردست ذمہ داری عائد ہوتی ہے اس وقت ہمیں پہلے سے بھی زیادہ ضرورت ہے کہ ایک متحد اور منظم قوم کی طرح مل جل کر کام کریں۔" اسی تقریر میں آپ نے خواتین سے بطورِ خاص خطاب کرتے ہوئے فرمایا "قوم کی تعمیر اور اس کے اتحاد کو قائم رکھنے کے لیے خواتین کو بھی نہایت اہم حصہ لینا ہے، کیونکہ نوجوانوں کے کردار کی تعمیر جو قوم کی اصل بنیاد ہیں، انہی کی ذمہ داری ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ پاکستان حاصل کرنے کی جدوجہد میں مسلمان خواتین ثابت قدمی کے ساتھ اپنے مردوں کے ساتھ رہی ہیں۔ پاکستان کی تعمیر میں بھی جو اس سے بھی اہم اور بڑا کام ہے اور فی الحال ہمیں درپیش ہے، خواتین اس طرح کوشاں ہوں کہ کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ پاکستانی خواتین پیچھے

ہیں یا اُنہوں نے اپنا فرض ادا کرنے میں کوتاہی کی ہے۔"

۲۸ مارچ ۱۹۴۸ء کو ریڈیو پاکستان ڈھاکہ سے قائد نے اپنی نشری تقریر میں فرمایا "پاکستان مسلم قوم کے اتحاد کی ایک مجسم صورت ہے اور اس کو اسی حیثیت میں قائم رہنا چاہیے۔ ہمیں سچے مسلمانوں کی حیثیت سے اس اتحاد کو قائم رکھنا لازم ہے۔" آپ نے مزید فرمایا "ابھی بہت سے اہم کام ہیں جو ہمیں انجام دینے ہیں اور بہت سے خطرات ہیں جن کا مقابلہ کرنا ہے۔ اُنہیں ہم سر تو یقیناً کر لیں گے لیکن ہمارے اتحاد پر کوئی آنچ نہ آنے پائے اور ایک متحدہ قوم کی حیثیت سے آگے بڑھنے کے ارادے میں کوئی خلل نہ آئے تو ہم یہ کام بہت جلد کر سکیں گے۔"

۱۲ اپریل ۱۹۴۸ء کو اسلامیہ کالج پشاور کے طلبہ سے خطاب کرتے ہوئے بانیٔ پاکستان نے فرمایا "آپ کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ اپنے صوبے سے محبت کرنے اور اپنے ملک سے محبت کرنے کے معنی اور ان دونوں کے تقاضے الگ الگ ہیں۔ ہمارے فرائض جو ہم پر پوری مملکت کی طرف سے عائد ہوتے ہیں، وہ ہمیں صوبائیت سے آگے لے جاتے ہیں۔ ان کا تقاضا ہے کہ ہم اپنی نظر، اپنے خیالات اور وطن دوستی کے تصور میں وسعت پیدا کریں۔ یہ نہ بھولیے کہ ہم ایک ایسی مملکت کی تعمیر کر رہے ہیں جسے پوری دنیائے اسلام کی قسمت بنانے میں پورا پورا حصہ لینا ہے۔ لہٰذا ہماری نظر وسیع ہونی چاہیے۔ ایسی وسیع کہ وہ صوبائی حد بندی، محدود قوم پرستی اور نسلی تعصبات سے بالاتر ہو۔ ہمیں اس وطن دوستی کو فروغ دینا چاہیے جو ہمیں ایک متحد اور طاقتور قوم کے سانچے میں ڈھال سکے۔"

گورنمنٹ ہاؤس پشاور میں ۱۷ اپریل ۱۹۴۸ء کو قبائلی جرگے سے خطاب

پیش کیا۔ اکتوبر ۱۹۳۷ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس منعقدہ لکھنؤ کی صدارت کرتے ہوئے آپ نے فرمایا "اپنی تنظیم کرو، یک جہتی اور مکمل اتحاد پیدا کرو۔ اپنے آپ کو تربیت یافتہ اور منضبط سپاہی بناؤ۔ اپنے اندر اجتماعی جذبہ اور رفاقت کا احساس پیدا کرو۔ ملک اور ملت کے نصب العین کے لیے وفاداری سے کام کرو۔" بابائے قوم زندگی کے ہر شعبے میں نظم و ضبط کی اہمیت کو ہمیشہ مسلمانوں پر واضح کرتے رہے۔

نومبر ۱۹۳۹ء میں اُنہوں نے قوم کے نام جو پیغام عید الفطر جاری کیا، اس میں فرمایا "ہم میں سے ہر ایک اپنے آپ کو منضبط کر کے ملک و قوم کی خدمت کر سکتا ہے اور نظم و ضبط ہی اس متبرک مہینے کی جان ہے۔ کیا ہماری عادات باقاعدہ ہیں؟ کیا ہم سڑک کے بائیں طرف رہتے ہیں اور راستے میں کوڑا کرکٹ پھینکنے سے احتراز کرتے ہیں؟ کیا ہم اپنے کام میں دیانت دار اور مخلص ہیں؟ کیا ہم دوسرے انسانوں کی اتنی ہی مدد کرتے ہیں جتنی ممکن ہے؟ کیا ہم روادار ہیں؟ ممکن ہے، یہ باتیں چھوٹی چھوٹی معلوم ہوں لیکن انہی میں ضبط کی روح مضمر ہے۔"

روزہ جہاں احتساب نفس کا ذریعہ ہے، معاشرے کے غریب اور نادار لوگوں کی تکالیف کا احساس دلاتا ہے، اور دیگر بہت سی خوبیاں اپنے اندر سموئے ہوئے ہے، وہاں نظم و ضبط کی تربیت بھی دیتا ہے۔ اکتوبر ۱۹۴۱ء میں پھر عید کے پیغام میں قائدِ اعظم محمد علی جناحؒ نے روزے کے اس پہلو کی طرف لوگوں کی توجہ مبذول کرائی۔ فرمایا "رمضان روزوں، عبادات اور خدا سے لو لگانے کا مہینہ ہے۔ اس میں قرآنِ مجید نازل ہوا۔ یہ دراصل ایک روحانی ضبط ہے جس کی مسلمانوں کو تلقین کی گئی ہے۔ لیکن اس فرض کی انجام دہی سے اخلاقی ضبط اور معاشرتی اور جسمانی فوائد بھی کچھ کم حاصل نہیں ہوتے۔"

تحریکِ پاکستان میں اُنہوں نے اسی جذبے کو اپنا سب سے بڑا ہتھیار قرار

دیا، مسلم یونیورسٹی علیگڑھ کی سٹوڈنٹس یونین سے خطاب کرتے ہوئے ۲-نومبر ۱۹۴۲ کو قائدؒ نے فرمایا "ایمان، اتحاد اور نظم و ضبط ہمارے تین کارآمد ہتھیار ہیں۔ اگر آپ ہندوستان میں اسلام کا ترکہ بچانا چاہتے ہیں تو فی الفور اس کا دل میں عہد کریں اور مسلم لیگ کو مقبول تر بنانے کی کوشش کریں۔ یہ ہماری طاقت کا سرچشمہ اور حصارِ اسلام کا مضبوط ترین مورچہ ہے۔ خبردار! مسلمانانِ ہند خواب سے بیدار ہو چکے ہیں۔ وہ قومی اتحاد اور باہمی اعتماد کی اہمیت کو سمجھ چکے ہیں۔ اگر ہم اپنے عہد پر قائم رہے تو دنیا کی کوئی طاقت ہمیں غلام نہ رکھ سکے گی۔"

قیامِ پاکستان کے بعد، ۱۱ دسمبر ۱۹۴۷ کو حکومتِ پاکستان کے اعلیٰ افسروں کو خطاب کرتے ہوئے قائدؒ نے آزاد مملکت کے شہری کی حیثیت سے انہیں اپنے انداز و اطوار بدلنے کی تلقین کی اور کہا "یہ زمانہ اپنی ذاتی ترقی، اپنے آپ کو آگے بڑھانے اور بڑی جگہوں کے لیے تگ و دو کرنے کا نہیں ——— یہ وقت ہے تعمیری کام کا، بے غرض خدمت کا اور بے لوث ادائیگی فرض کا۔"

قائدؒ نے پاکستان کی انتظامیہ کے سربراہ کی حیثیت سے انتظامیہ کے مختلف شعبوں کو نظم و ضبط کے ساتھ خدمتِ ملک و قوم کی ہدایات جاری کیں۔ ۱۱-اکتوبر ۱۹۴۷ کو بری، بحری اور فضائی افواج کے افسروں سے خطاب کرتے ہوئے کراچی میں فرمایا "دشمنوں کی خواہش اور اس کے ہتھکنڈوں کا بہترین جواب یہ ہے کہ ہم پاکستان کی تعمیر و ترقی کا عزمِ صمیم کر لیں۔۔۔۔ اس شاندار نصب العین کا تقاضا ہے کام اور صرف کام"

اس کے ساتھ ہی ساتھ انہوں نے عوام کو بھی کہا کہ وہ انتظامیہ پر تنقید و تنقیص ہی کے نشتر نہ چلائیں۔ ۲۱ مارچ ۱۹۴۸ کو ڈھاکہ کے جلسۂ عام (جس میں تین لاکھ سے زائد لوگ شریک تھے) میں فرمایا "کسی بڑے انتظامِ حکومت میں ظاہر ہے کہ غلطیاں

تو ہوں گی ہی۔ نہ میں یہ کہتا ہوں کہ اس میں اصلاح اور ترقی کی گنجائش نہیں ہے۔ نہ میں اس نکتہ چینی کو برا سمجھتا ہوں جو خلوصِ نیت سے سچے محبانِ وطن کی جانب سے ہو۔ ایسی نکتہ چینی ہمیشہ قابلِ قدر ہوتی ہے لیکن جب میں ملک کے بعض گوشوں سے عیب جوئی اور شکایت کے سوا کچھ نہیں سنتا۔۔۔۔ تو قدرتی طور پر مجھے اس سے تکلیف پہنچتی ہے۔"

عید الفطر کی خوشیوں کے مواقع پر ہمیشہ قائدؒ نے اپنی قوم کو نظم و ضبط کی تلقین فرمائی۔ ۱۷-اگست ۱۹۴۷ کو بھی اپنے پیغامِ عید میں انہوں نے کہا "تنظیم اور اتحاد ہمارے لیے اتنے اہم پہلے نہ تھے، جتنے اب ہیں، ہم صرف متحدہ کوشش اور اپنی قسمت پر بھروسہ کر کے ہی اس پاکستان کو حقیقت بنا کر پیش کر سکتے ہیں جس کا ہم نے خواب دیکھا تھا۔"

اگر ہمیں ایک زندہ قوم کی حیثیت سے زندگی گزارنے کی خواہش ہے تو قائدِ اعظم کی ان ہدایات پر عمل کیے بغیر یہ کبھی ممکن نہیں ہوگا۔

قائدِ اعظمؒ اور نظریۂ تعلیم

کسی ملک کے استحکام اور ترقی کے لیے ضروری ہے کہ اس کی آبادی کی تعلیم پر پوری توجہ دی جائے۔ تعلیم انسان کا بنیادی اور پیدائشی حق ہے۔ آبادی تعلیم سے بے بہرہ ہو تو اس میں آزادی کے حصول کا شعور بیدار کرنا بھی مشکل ہوتا ہے اور تعلیم یافتہ لوگ ہی آزاد مملکت کے استحکام کا باعث بنتے ہیں، اور ملک کو ترقی کی شاہراہوں پر گامزن کر سکتے ہیں۔

دیکھا گیا ہے کہ سیاست دانوں کا نظریۂ تعلیم عموماً یہ ہوتا ہے کہ اگر وہ حصولِ اقتدار کی کوشش کر رہے ہوں تو اپنے ماننے والے طلبہ و طالبات کو سیاست میں گھسیٹتے ہیں، انہیں حصولِ تعلیم کے بجائے اپنے مقاصد کی آبیاری اور اپنے مفادات کے تحفظ کے لیے آلۂ کار بنانا پسند کرتے ہیں ——— اور جب برسرِ اقتدار ہوں تو طالب علموں کو سکون کے ساتھ تعلیم حاصل کرنے کی تلقین کرتے ہیں۔

ایسے میں قائدِ اعظم محمد علی جناح علیہ الرحمہ کے کردار کا جائزہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ وہ ایک مسلّمہ سیاستدان تھے اور انہوں نے انگریز حکومت میں بھی تعلیم کی بات کی، جدوجہدِ آزادی کے دوران میں بھی تعلیم کی اہمیت پر گفتگو کی اور پاکستان کی صورت میں اپنا مقصد حاصل کر لینے کے بعد بھی اس موضوع پر اپنے خیالات کا اظہار کیا۔

۱۹ مارچ ۱۹۱۲ کو مجلسِ قانون ساز میں مسٹر گوکھلے نے ابتدائی تعلیم کا بل پیش کیا۔ نواب عبد المجید نے بل کی مخالفت کی تو محمد علی جناح نے بل کی پُرزور حمایت کرتے ہوئے کہا "ہر مہذب حکومت کا فرض ہے کہ وہ عوام کو تعلیمی سہولتیں فراہم کرے اور اگر ایسا کرنے میں اسے کسی قسم کی نامقبولیت یا خطرے کا بھی سامنا کرنا پڑے تو اس کا مقابلہ کرنا اپنا فرض سمجھے...... آپ انہیں محض اس لیے جہالت کی تاریکی میں رکھنا چاہتے ہیں کہ کہیں وہ آپ کے مقابل کھڑے ہو کر اپنے حقوق نہ مانگ لیں ——— آپ کو ہمیں یہ حقوق دینا ہوں گے۔"

۲ مارچ ۱۹۴۱ء کو پنجاب سٹوڈنٹس فیڈریشن سے خطاب کرتے ہوئے قائدِ اعظمؒ نے قومی تعمیرِ نو کے لیے اہم اور بنیادی ضروری شعبوں کا ذکر کیا۔ انہوں نے قیامِ پاکستان کی جدوجہد میں طلبہ کو ذمہ داریاں نبھانے کی تربیت و ترغیب دیتے ہوئے فرمایا "کسی قوم کو ایک مملکت کا حکمران بننے اور ملک چلانے کے قابل بنانے کے لیے کم از کم تین بڑے ستونوں کی ضرورت ہے۔ پہلا ستون تعلیم ہے.... دوسرے کوئی قوم کوئی بڑا کام نہیں کر سکتی جب تک وہ کاروبار، تجارت اور صنعت و حرفت کے میدانوں میں معاشی طور پر مستحکم نہ ہو اور تیسرے، جب آپ تعلیم کے ذریعے علم کی روشنی حاصل کریں تو اپنے آپ کو دفاع کے لیے تیار کریں۔"

بابائے قومؒ نے تعلیم کو استحکامِ ملک اور تعمیرِ قوم کے لیے پہلا ستون قرار دیا اور فرمایا کہ تعلیم کی چکا چوند اجالے لاتی ہے اور تعلیم کے بغیر گھپ اندھیرے مقدر بن جاتے ہیں۔ آپ نے کہا "کسی قوم کی طاقت اور عظمت کا اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ اس کے یہ تینوں ستون کتنے مضبوط ہیں اور قوم ان شعبوں میں کیا کچھ کرنے پر تیار ہے۔"

دیکھیے، کہ ایک سیاستدان اُن طالب علموں سے خطاب کرتا ہے جو اس کے ایک اشارے پر جان لڑانے پر تیار ہیں اور انہیں عملی سیاست سے اجتناب

کی تلقین کرتا ہے۔ ۱۵۔ نومبر ۱۹۴۲ء کو مسلم سٹوڈنٹس کانفرنس جالندھر کے پلیٹ فارم پر قائدِ اعظم نے فرمایا: "جب تک آپ طالب علم ہیں، اپنی کوشش کو محض تیاری تک محدود رکھیں اور عملی سیاست میں حصہ نہ لیں۔۔۔۔ میں نے ابھی کہا ہے کہ آپ عملی سیاست میں حصہ نہ لیں۔ میں اس کی وضاحت کرتا ہوں تاکہ غلط فہمی کا اندیشہ نہ رہے۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ اپنے اندر وہ اوصاف پیدا کر لیں جن کے وسیلے آپ طالب علمی کی زندگی ختم کرنے کے بعد عملی سیاست کی جدّوجہد میں کامیاب ہوں۔ آپ اس وقت اپنے آپ کو ضروری سازوسامان یعنی علم وآگہی اور توفیقِ عمل سے آراستہ کریں۔ آپ کی اوّلین اور اہم ترین ضرورت ہے، مطالعہ، مطالعہ اور مطالعہ۔"

بلوچستان مسلم لیگ کوئٹہ کے اجلاس (۳۔ جولائی ۱۹۴۳ء) سے خطاب کرتے ہوئے قائد نے کہا: "۔۔۔۔ فی الحال جو امر سب سے ضروری ہے، وہ تعلیم ہے، علم تلوار سے بھی زیادہ طاقتور ہوتا ہے۔ جائیے اور علم حاصل کیجیے۔"

تعلیم کی اہمیت کے پیشِ نظر بانیٔ پاکستان نے مختلف موقعوں پر لوگوں کی توجہ اس طرف مبذول کرائی۔ قیامِ پاکستان کے ڈیڑھ ماہ بعد، ولیکا ٹیکسٹائل ملز کی افتتاحی تقریب کے موقع پر ۲۹ ستمبر ۱۹۴۷ء کو کراچی میں آپ نے کہا: "آپ تعلیم پر پورا دھیان دیں اور اپنے آپ کو عمل کے لیے تیار کریں، ـــــ یہ آپ کا پہلا فریضہ ہے ۔۔۔ تعلیم ہماری قوم کے لیے زندگی اور موت کا مسئلہ ہے۔ دنیا اتنی تیزی سے آگے بڑھ رہی ہے کہ اگر آپ نے اپنے آپ کو تعلیم یافتہ نہ بنایا تو نہ صرف آپ پیچھے رہ جائیں گے بلکہ خدانخواستہ بالکل ختم ہو جائیں گے۔ تعلیم کی اشاعت کے لیے بڑی سے بڑی قربانی سے بھی دریغ نہیں کرنا چاہیے۔ اس مقصد کی خاطر جتنی بھی مصیبتیں جھیلی جائیں، کم ہیں۔"

۳۰۔ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو لاہور میں طلبہ سے خطاب کرتے ہوئے قائد نے فرمایا: "آپ مستقبل کے معمارِ قوم ہیں۔۔۔۔ اس لیے مناسب تعلیم اور مناسب تربیت حاصل کیجیے۔ آپ کو پورا پورا احساس ہونا چاہیے کہ آپ کی ذمہ داریاں کتنی زیادہ اور کتنی شدید ہیں، اور ان سے عہدہ برآ ہونے کے لیے آپ کو ہر وقت مستعد رہنا چاہیے۔"

کل پاکستان تعلیمی کانفرنس کراچی (۲۷ نومبر ۱۹۴۷ء) کے موقع پر مسلمانانِ پاکستان کے رہنمائے اعظم نے یوں رہنمائی کی: "پاکستان کی ترقی کا انحصار زیادہ تر تعلیم پر ہے یعنی ہم کیونکر اپنے بچوں کو پاکستان کے سچے خادم بناتے ہیں۔ تعلیم کا مطلب محض کتبی تعلیم نہیں اور ہمارے ہاں تو کتبی تعلیم بھی خیر سے بہت کمزور اور ناقص ہے۔۔۔۔ ہمیں اس امر کی فوری اور اشد ضرورت ہے کہ ہمارے نوجوانوں کو سائنس اور ٹیکنالوجی کے شعبوں میں تعلیم دی جائے کیونکہ اسی سے ہماری مستقبل کی معاشی زندگی کا معیار بلند ہونے کی اُمید ہے۔"

۲۴ مارچ ۱۹۴۸ء کو ڈھاکہ یونیورسٹی کے جلسۂ تقسیمِ اسناد سے خطاب کرتے ہوئے آپ نے طلبہ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: "آپ پر ایک زبردست ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ آپ کا فرض ہے کہ آپ اپنی توجہ صرف اپنی تعلیم کی طرف رکھیں اور اپنے اندر تنظیم، اعلیٰ کردار، پیش قدمی اور ٹھوس علمی لیاقت پیدا کریں۔ ۔۔۔۔ آپ کی بھلائی، آپ کے والدین کی بھلائی اور ساری مملکت کی بھلائی اس میں ہے کہ آپ کی توجہ صرف تحصیلِ علم کے لیے وقف رہے۔ صرف اس طریقے سے آپ اپنی مملکت کے لیے طاقت اور فخر کا سرچشمہ بن سکتے ہیں اور ان مسائل کے حل کرنے میں مدد دے سکتے ہیں جو اس مملکت کو معاشی اور معاشرتی میدان میں درپیش ہیں۔"

۱۸-اپریل ۱۹۴۸ کو ایڈورڈز کالج پشاور میں تقریر کرتے ہوئے آپ نے فرمایا۔ "ہمارے کالجوں کا نصب العین یہ ہونا چاہیے کہ زراعت، علم الحیوانات علم نباتات، طب، انجینئرنگ اور دیگر خصوصی مضامین کے اوّل درجہ کے ماہر تیار کریں۔ معیارِ زندگی بلند کرنے، خصوصاً عام آدمیوں کی معاشی حالت کو بہتر بنانے کے لیے اس وقت ہم جن مسائل سے دوچار ہیں، ان سے عہدہ برآ ہونے کی یہی واحد صورت ہے۔"

۱۲-اپریل ۱۹۴۸ کو اسلامیہ کالج پشاور میں تقریر کرتے ہوئے بابائے قوم نے فرمایا۔ "آپ کو چاہیے کہ خود کو پوری دلجمعی کے ساتھ مطالعے کے لیے وقف کردیں کیونکہ یہ آپ کی اپنی ذات کی طرف سے، اپنے والدین کی طرف سے اور اپنی مملکت کی طرف سے آپ کی سب سے پہلی ذمہ داری ہے۔"

ملاحظہ فرمایا آپ نے۔ قائدِ محترم نے تخریب کی راہ کو کبھی اچھا نہیں سمجھا۔ وہ جانتے تھے کہ مملکت انگریزی حکام کے تابع تھی تو بھی مسلمانوں کو تعلیم کی اشد ضرورت تھی۔ آزاد مملکت وجود میں آگئی تو یہ ضرورت اس لیے اور شدید ہوگئی کہ قیامِ پاکستان ہی نصب العین نہ تھا، استحکامِ پاکستان پیشِ نظر تھا۔ جدّوجہدِ آزادی کی تاریخ کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ جب ۱۹۲۰ میں گاندھی جی کے زیرِ اثر مسلمان زعما و علما "نان کوآپریشن" کو اسلامیا کر "ترکِ موالات" کے طور پر اختیار کرچکے تھے اور مسلم کالج علیگڑھ، اسلامیہ کالج لاہور اور اسلامیہ کالج پشاور (مسلمانوں کے تین واحد کالجوں) کے طلبہ سے تعلیم چھڑوانے کے لیے ہنگامے تک کر رہے تھے ——— قائدِ اعظمؒ نے "نان کوآپریشن" کی مخالفت کی اور کسی سطح پر بھی اس جرم میں شریک نہیں ہوئے۔

قائدِ اعظم کا تصورِ ممات

خالقِ تخیلِ پاکستان علامہ اقبالؒ نے فرمایا تھا:

نشانِ مردِ مومن با تو گویم
چو مرگ آید، تبسم بر لبِ اوست

اسی عہد کے دوسرے عبقری، بانئ پاکستان قائدِ اعظم محمد علی جناحؒ نے بھی کسی عظیم نصب العین کے لیے موت کو گلے لگانے کی اہمیت واضح کی۔ اُن کے پیشِ نظر یہ عظیم مقصد تھا کہ مسلمانانِ ہند کے لیے ایک الگ مملکت بنے جہاں وہ زندگی بسر کرنے میں آزاد ہوں۔ پاکستان کے حصول کی راہ میں انگریز کا اقتدار اور ہندو کی مکاری حائل تھی۔ لیکن قائدِ اعظم علیہ الرحمہ نے اس انداز میں قوم کی رہنمائی کی، اس طریقے سے انگریز اور ہندو جیسی بڑی طاقتوں سے آئینی اور سرد جنگ لڑی کہ بالآخر پاکستان کا نقشہ صفحۂ گیتی پر نمودار ہو کے رہا۔

بابائے قوم نے حصولِ مقصد کی جدّوجہد میں مسلمانانِ ہند کو اپنی جانوں کی بازی تک لگا دینے کے لیے تیار کیا اور موت کے متعلق اپنے نظریے کی یوں تبلیغ کی کہ اسلام اور اسلامیوں کے اجتماعی مفاد کی خاطر اگر اس سے ملاقات ضروری ہو تو خوش دلی سے کی جائے۔ ان کے نزدیک ایسی موت دراصل حیاتِ جاودانی کی ابتدا ہوتی ہے۔

فرشتہ موت کا چھوتا ہے گو بدن تیرا
ترے وجود کے مرکز سے دور رہتا ہے

۲۳ مارچ ۱۹۴۲ء کو پورے ہندوستان میں قراردادِ پاکستان کی سالگرہ کے طور پر "یوم پاکستان" منایا گیا۔ دہلی میں مسلمانوں کا عظیم الشان جلوس گشت کرتا ہوا اردو بازار پہنچا تو قائدِ اعظمؒ نے سیاستِ حاضرہ پر اپنے تاثرات کے آخر میں فرمایا: "اگر ہندو قیادت یا برطانوی قیادت، الگ الگ یا دونوں مل کر ہمارے خلاف فریب کاریوں اور سازشوں پر اُتر آئیں تو ہم اس کی مدافعت کریں گے تاآنکہ ہم سب کے سب مر جائیں۔"

لیبر پارٹی کے مسٹر اٹیلی نے برطانیہ کی وزارتِ عظمیٰ حاصل ہوتے ہی مسلمانانِ ہند کے خلاف اپنے تعصب کا اظہار کیا کہ "اقلیت کو اکثریت کی راہ میں روڑا نہیں بننے دیا جائے گا۔" اس پر قائدِ اعظم نے دہلی میں صوبائی مجالس آئین ساز اور مرکزی اسمبلی کے مسلمان ارکان کا ایک کنونشن بلایا۔ ۷ اپریل ۱۹۴۶ء کو اس کنونشن میں تقریر کرتے ہوئے آپ نے کہا: "یہ کنونشن قطعی اور غیر مبہم الفاظ میں اپنے آئندہ نصب العین کا اعلان کرے گا۔ مجھے اس امر میں کوئی شبہ نہیں کہ اس مسئلے میں ہماری رائے ایک اور صرف ایک ہے اور وہ یہ کہ ہم پاکستان چاہتے ہیں اور اس کے حصول کی جنگ میں ہمارے قدم نہیں ڈگمگائیں گے اور ہم پیش قدمی کرنے میں پس و پیش نہیں کریں گے —— اور اگر ضرورت پڑی تو ہم پاکستان کے لیے اپنی جانیں دے دیں گے۔ ہم پاکستان حاصل کر کے رہیں گے یا فنا ہو جائیں گے۔"

قائدِ اعظم نے اس مسلم کنونشن کے اختتام پر تمام ارکان سے ایک حلف نامے پر دستخط لیے، انھوں نے خود بھی حلف نامے پر دستخط کیے اور پھر ایک ولولہ انگیز تقریر میں قومی کردار کے حوالے سے فرمایا: "کردار کسے کہتے ہیں؟ کردار کا مطلب

ہے کہ عزت، خودداری، ارادے اور عزم کی پختگی اور دیانتداری۔ ان تمام خصوصیات کا بدرجۂ اتم موجود ہونا بلندیٔ کردار ہے۔ قوم کے اجتماعی مفاد کے لیے افراد کا اپنے آپ کو قربان کر دینے کے لیے ہمہ وقت آمادہ رہنا اچھا کردار ہے۔"

۲۹ اگست ۱۹۴۶ء کے "پیغام عید" میں قائدؒ نے پھر فرمایا: "ہم پاکستان حاصل کر کے رہیں گے کیونکہ ہماری مشکلات کا واحد حل پاکستان ہے اور اس کے بغیر ہم نیست و نابود ہو جائیں گے۔" یعنی قائدؒ نے موت کا فلسفہ بیان کر دیا کہ کسی اعلیٰ مقصد کی خاطر جان دینا موت نہیں۔ موت تو یہ ہے کہ ہم قوم کے اجتماعی مفاد کے حصول میں ناکام رہیں۔ قومی حیثیت میں ہمارا نابود ہو جانا یا بے حیثیت رہنا موت ہے۔

اس سے اگلے روز (۳۰ اگست ۱۹۴۶ء کو) قیصر باغ بمبئی میں پھر انھوں نے کہا: "ہم تمام رکاوٹوں کا مقابلہ کریں گے، مصائب جھیلیں گے —— یہاں تک کہ آگ کے شعلوں کو بھی پار کر جائیں گے۔ ہمارے راستے میں کوئی چیز مزاحم نہیں ہو سکتی اور نہ کوئی چیز ہمیں اپنے نصب العین سے منحرف کر سکتی ہے۔"

حصولِ پاکستان میں جن لوگوں نے قربانیاں دیں، ۱۷ اگست ۱۹۴۷ء کو (جمعۃ الوداع کے موقع پر) قائدِ اعظم نے اپنی نشری تقریر میں ان کا بطورِ خاص ذکر کیا۔ پاکستان کو عالمِ وجود میں آئے ابھی چند دن ہوئے تھے، بانیٔ پاکستان نے فرمایا: "اس اہم موقع پر میرے تمام خیالات ان بہادر مجاہدین کی طرف لگے ہوئے ہیں جنھوں نے خندہ پیشانی اور استقامت سے ہمارے مقصد کے حصول کے لیے اور پاکستان کے قیام کے لیے اپنا سب کچھ اور اپنی پیاری زندگی تک کو قربان کر دیا۔"

قائدِ اعظم محمد علی جناح رحمہ اللہ نے قوم کو بے کار اور بے مقصد قربانیوں

سے احتراز کی ہدایت کی اور مقصد کی خاطر جان قربان کرنے کا ولولہ بخشا۔ ۳ جولائی
۱۹۴۳ء کو بلوچستان مسلم لیگ کا تیسرا سالانہ جلسہ کوئٹہ میں ہوا۔ قاضی محمد عیسیٰ صدر
تھے۔ قائد کو "تلوار" پیش کی گئی تو انہوں نے فرمایا "یہ تلوار جو آپ نے مجھے عنایت
کی ہے، صرف حفاظت کے لیے اُٹھے گی لیکن فی الحال جو سب سے ضروری امر
ہے، وہ تعلیم ہے۔ علم تلوار سے بھی زیادہ طاقتور ہے۔ جائیے اور علم حاصل کیجیے۔
میں جانتا ہوں کہ اگر وقت آ جائے تو ہم اپنی جان اور سب کچھ قربان کر دیں گے لیکن
پہلے اس کی تیاری تو کر لو۔ ہم بیکار اور بے مقصد قربانی نہیں چاہتے۔"

۲۱۔ نومبر ۱۹۴۵ء کو قائد اعظم نے پشاور میں سرحد کے مسلمانوں سے خطاب
کرتے ہوئے کہا۔ "مسلمانوں سے یہ اُمید نہیں رکھنی چاہیے کہ وہ غلامی کے لیے
اپنا خون بہائیں گے۔ جب تک میں زندہ ہوں، ہندوؤں کی غلامی کے لیے مسلمانوں
کا ایک قطرۂ خون بھی ضائع نہ ہونے دوں گا۔"

ہندوؤں کے ہاتھوں بہار کی سرزمین مسلمانوں کے خون سے لالہ زار ہو گئی تو
عید کے موقع پر ۲۔ نومبر ۱۹۴۶ء کو مسلم ایسوسی ایشن دہلی کی تقریب میں قائد اعظم نے
کہا۔ "میں جہاں کہیں جاتا ہوں، یہی نعرے سنتا ہوں کہ قائد اعظم! ہم آپ کے
حکم کے منتظر ہیں۔ میں کہتا ہوں، قائد اعظم ہرگز ہرگز حکم دینے کے لیے تیار نہیں۔
جب تک اس کو یہ یقین نہ ہو جائے کہ مسلمانوں کا جو خون بہے گا، وہ رائیگاں نہ
جائے گا۔ اگر میں یہ یقین کیے بغیر مسلمانوں کو حکم دے دوں تو میں جنرل نہیں
ہوں گا، مجرم ہوں گا۔"

ارشادِ خداوندی ہے کہ غصے کو پی جانے والے اور لوگوں کو معاف کر دینے
والے محسنین ہیں اور اللہ ان سے محبت کرتا ہے۔ ۱۹۴۶ء میں جگہ جگہ مسلمانوں کا
قتل عام ہوا۔ بہار، یوپی، بمبئی ہر جگہ فساد کی آگ بھڑکی اور ہندوؤں نے مسلمانوں کو

گاجر مولی کی طرح کاٹ کاٹ کر پھینک دیا۔ قائد اعظم کا دل ان واقعات پر خون
کے آنسو رو رہا تھا لیکن انہوں نے بدلے میں ہندوؤں کو کوئی تکلیف پہنچانے
سے قوم کو روک دیا۔ اُنہوں نے ۱۱ نومبر ۱۹۴۶ء کو اپیل جاری کی جس میں اکثریتی
صوبوں کے مسلمانوں کو پُرامن رہنے کی ہدایت کی۔ انہوں نے کہا۔ "مسلمانوں
پر جو ظلم ہو رہے ہیں، ان سے ہمارا کلیجہ چھلنی ہو رہا ہے۔ مگر ہم مسلم اکثریت
والے صوبوں میں بے گناہوں کو مار کر اپنا دل ٹھنڈا نہ کریں گے۔ ہم کو سیاسی
طور پر بتا دینا چاہیے کہ ہم بہادر ہیں اور اپنے دشمنوں کو معاف کر دینے والے
ایماندار اور سچے مسلمان ہیں۔"

مشرقی پنجاب میں غیر مسلموں نے نہتے مسلمانوں، بوڑھوں، عورتوں اور
بچوں پر جو مظالم ڈھائے، ان سے کون واقف نہیں لیکن قائد اعظم رحمۃ اللہ
علیہ نے ۲۔ دسمبر ۱۹۴۷ء کو ریڈیو پاکستان لاہور سے اپنی تقریر میں ان فسادات
کا ذکر کیا، بہیمیت کے اس طوفان پر اپنے دلی صدمے سے قوم کو آگاہ کیا۔
مگر قوم کو ہدایت کی کہ "۲۹۔ اگست کو اقلیتوں کی حفاظت کا جو مقدس عہد کیا
گیا ہے اسے پورا کرنے میں کوئی کسر نہ اُٹھا رکھی جائے۔"

بعد میں کراچی میں سکھوں کے اشتعال انگیز نعروں کی وجہ سے کشت و خون
کا بازار گرم ہوا اور اس کی لپیٹ میں سکھوں کے علاوہ ہندو بھی آ گئے تو قائد اعظم
نے ۹۔ جنوری ۱۹۴۸ء کو فساد زدہ علاقے کا دورہ کیا اور اعلان کیا کہ "حکومت
پاکستان خطا کاروں کے خلاف انتہائی سخت کارروائی کرے گی۔ مجھے ہندوؤں
سے پوری ہمدردی ہے۔"

موت کے حوالے سے قائد اعظم علیہ الرحمہ کے افکار زیرِ بحث ہیں تو یہ واضح
کرنا بھی ضروری ہے کہ قائد اعظم نے مسلمانوں کے اجتماعی مفاد کے خلاف کام کرنے

والوں اور مسلمانوں کے نصب العین کو نقصان پہنچانے والوں کو موت کی خبر سنانے میں بخل سے کام نہیں لیا۔ ۲۱ نومبر ۱۹۴۵ء کو پشاور میں تقریر کرتے ہوئے آپ نے فرمایا "میں ایک بار پھر اپیل کروں گا کہ جن لوگوں کو انتخابات میں حصہ لینے کے لیے مسلم لیگ بورڈ کی طرف سے ٹکٹ نہیں ملے۔ اگر انہوں نے دس کروڑ مسلمانوں سے غداری کی تو وہ خود بھی وزیر اعظم یا وزیر بننے کے لیے زندہ نہ رہ سکیں گے۔"

قائد اعظمؒ نے ۱۲ دسمبر ۱۹۴۵ء کو مسلم چیمبر آف کامرس بمبئی میں تقریر کرتے ہوئے نیشنلسٹ مسلمانوں سے اپیل کی کہ وہ مسلم لیگ میں شامل ہو جائیں۔ انہوں نے کانگرس کی پناہ میں رہنے کو نیشنلسٹ مسلمانوں کی "خودکشی کی پالیسی" قرار دیا اور اس سے باز رہنے کی تلقین کی ــــ مگر علماء کے اس طبقے نے اپنے آپ کو ہندو کی جھولی میں ڈالے رکھا اور ان کا وزن مسلمانوں کے پلڑے میں نہ پڑا۔

چنانچہ دنیا نے دیکھ لیا کہ قائد اعظم کی پیشگوئی درست ثابت ہوئی اور ان نیشنلسٹ علماء کا ہندوؤں کا تابع مہمل بنا رہنا ان کی سیاسی موت بن گیا۔

قائد اعظم نور اللہ مرقدہٗ نے اپنا نصب العین حاصل کرنے کی تگ و دو میں اپنی بیماری کو چھپائے رکھا اور ان کی قوتِ ارادی نے موت کو مؤخر کیے رکھا۔ ۱۹۴۶ء میں وہ دہلی سے بمبئی جا رہے تھے، سفر کے دوران میں ان کی طبیعت زیادہ خراب ہو گئی۔ فیملی ڈاکٹر ڈاکٹر پٹیل نے ایکسرے دیکھا تو معلوم ہوا کہ ان کے پھیپھڑے تپ دق کے مہلک اثرات کی زد میں ہیں۔ قائد اعظم نے ڈاکٹر پٹیل کو سختی سے ہدایت کر دی کہ ان کی صحت کے بارے میں کسی کو پتا نہ چلے۔

پاکستان بننے کے بعد قائد اعظم پر بیماری کا پہلا حملہ لاہور میں قیام کے دوران ہوا۔ یہ وہ دن تھے جب کشمیر میں بھارتی جارحیت نے پر پرزے نکالنا شروع کیے تھے۔ ان دنوں قائد اعظم قریباً پانچ ہفتے لاہور میں بیمار رہے۔ اس کے بعد

وہ وقفے وقفے سے بیمار ہوتے رہے لیکن کاروبارِ مملکت میں مصروف رہے۔ آخر ۲۵ مئی ۱۹۴۸ء کو آپ معالجین کے مشورے پر زیارت چلے گئے۔

قائد اعظم نے کبھی موت کو اہمیت نہیں دی۔ انہوں نے مسلمانانِ ہند کے لیے الگ مملکت تو حاصل کر لی۔ مگر اب اس کے استحکام کے لیے شبانہ روز محنت کی ضرورت تھی۔ قائد کو اس کا شدید احساس تھا۔ چنانچہ سٹیٹ بنک آف پاکستان کے افتتاح کا مسئلہ سامنے آیا تو آپ علالت و نقاہت کو خاطر میں لائے بغیر کراچی تشریف لائے۔ یکم جولائی ۱۹۴۸ء کو افتتاح فرمایا۔ ۵ جولائی تک وہ یہاں مملکت کے کاموں میں مصروف رہے۔

۲۶ جولائی کو امریکہ میں پاکستان کے سفیر حسن اصفہانی قائد سے ملنے زیارت گئے تو انہوں نے صحت کا خیال رکھنے کے مشورے پر فرمایا "آدمی آتے رہیں گے اور جاتے رہیں گے لیکن پاکستان صحیح طور پر مضبوطی سے قائم ہو چکا ہے اور اللہ کے فضل و کرم سے باقی رہے گا۔"

اگست ۱۹۴۸ء کی ایک خوشگوار شام کو قائد اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی طبیعت بہتر معلوم ہوئی۔ مادرِ ملت اور قائد اعظم کے معالجین پاس بیٹھے تھے انہوں نے فرمایا "یہ مشیتِ ایزدی ہے۔ یہ محمد مصطفیٰؐ کا روحانی فیض ہے کہ جس قوم کو برطانوی سامراج اور ہندو سرمایہ دار نے قرطاسِ ہند سے حرفِ غلط کی طرح مٹانے کی سازش کر رکھی تھی، آج وہ قوم آزاد ہے۔ اس کا اپنا ملک ہے، اپنا جھنڈا ہے، اپنی حکومت اور اپنا سکہ ہے۔ کیا کسی قوم پر اس سے بڑھ کر خدا کا کوئی انعام ہو سکتا ہے۔ خدا کے اس انعامِ عظیم کی حفاظت مسلمانوں کا فرض ہے۔"

۱۴ اگست ۱۹۴۸ء کو قوم کے نام قائد اعظمؒ کا آخری پیغام نشر ہوا۔ اس

میں بھی انہوں نے فرمایا "قدرت نے آپ کو سب کچھ بخشا ہے، آپ کے وسائل لامحدود ہیں۔ آپ کے ملک کی بنیاد رکھی جا چکی ہے۔ اب یہ آپ کا کام ہے کہ اس بنیاد پر جلد سے جلد اور بہتر سے بہتر عمارت تعمیر کریں۔"

موت سے کسی کو مفر نہیں۔ خداوند قدوس کے سوا ہر چیز کو فنا ہونا ہے۔ قائدِ اعظمؒ بھی ۱۱ ستمبر ۱۹۴۸ء کو رات کے ۱۰ بجے اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون)۔ لیکن وہ قوم کو یہ سبق دے گئے کہ مسلمان کو اسلام اور مسلمانوں کے اجتماعی مفاد کے لیے جان کی بازی لگا دینے کے لیے بھی تیار رہنا چاہیے۔ اور خدا کی دی ہوئی اس نعمت کو آخری دم تک مخلوقِ خدا کی بہتری اور اسلام اور اسلامیوں کے مفاد کے لیے استعمال کرنا چاہیے۔

قائدِ اعظمؒ کا مزاج

قائدِ اعظم محمد علی جناح علیہ الرحمہ پاکستان کے گورنر جنرل کے عہدے کا حلف اٹھانے کی تقریب میں شرکت کے لیے آئے تو اُن کے اے ڈی سی نے بارش کا امکان ظاہر کیا۔ قائد نے مسکراتے ہوئے کہا۔ میں کراچی کے بادلوں کو جانتا ہوں، ان میں پانی نہیں ہوتا۔

قائدِ اعظم کشمیر میں مقیم تھے۔ ایک دن دورانِ طعام کسی نے کہا کہ مہاراجا کشمیر نہایت عمدہ کھانا پکا سکتے ہیں۔ اس پر قائد نے ہنستے ہوئے کہا "انڈا تو میں بھی پکا سکتا ہوں لیکن اگر مہاراجا کشمیر پسند کریں تو میں انہیں اپنے ساتھ بمبئی لے جانے کو تیار ہوں۔ آج کل مجھے ایک اچھے باورچی کی ضرورت ہے۔"

بانیٔ پاکستان انگلستان میں ایک پریس کانفرنس کے دوران میں کانگرس کی پالیسیوں پر تنقید کر رہے تھے کہ ایک اخباری نمائندے نے کہا "آپ بھی تو کانگرس میں رہ چکے ہیں۔" قائد نے فوراً جواب دیا "ہاں۔ جب میں بچہ تھا تو پرائمری سکول میں بھی پڑھا کرتا تھا۔"

ایک دن قائدِ اعظم محترمہ فاطمہ جناح اور اپنے پرائیویٹ سیکرٹری مطلوب الحسن سید کے ہمراہ موٹر میں میسور سے کہیں جا رہے تھے۔ راستے میں تھوڑی دیر کو رکے۔ مادرِ ملت چائے تیار کرنے لگیں، قائدِ اعظم قریب ہی موجود ریلوے سٹیشن کے پلیٹ فارم پر ٹہلنے لگے۔ لوگوں نے انہیں پہچان لیا اور سٹیشن پر ایک ہلچل سی شروع

ہو گئی۔ مطلوب الحسن سید نے انہیں اس طرف متوجہ کیا تو انہوں نے فرمایا "یہ چائے کا اُبال ہے۔ ابھی ختم ہو جائے گا۔"

۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کے لاہور کے تاریخی اجلاس کی مجلسِ انتخاب مضامین میں قائد اعظم تقریر کر رہے تھے کہ باہر سے شور بلند ہوا۔ ایک شخص نے بتایا کہ شیرِ بنگال مولوی فضل حق، آ رہے ہیں۔ وہ سامنے آئے تو قائد نے کہا "جب شیر آئے تو میمنے کو بیٹھ جانا چاہیے۔" یہ کہہ کر آپ بیٹھ گئے اور جب شیرِ بنگال بیٹھ گئے تو قائد اعظم پھر تقریر کے لیے کھڑے ہوئے اور کہا۔ "اب شیر کو زنجیروں میں جکڑ دیا گیا ہے' اس لیے میمنا پھر باہر نکل آیا ہے۔"

۱۹۴۷ء میں لارڈ ماؤنٹ بیٹن اور ان کی لیڈی کے ساتھ ان کی تصویر لی جانے لگی تو انہوں نے لیڈی ماؤنٹ بیٹن سے از راہِ مذاق کہا "آپ تو کانٹوں کے درمیان پھول ہیں۔" لیکن جب تصویر لی گئی تو آپ کو درمیان میں کھڑا کر دیا گیا اور یہ لطیفہ "حقیقت" بن گیا۔

قائدِ اعظم گاندھی جی کو مہاتما نہیں کہتے تھے۔ گاندھی انہیں جناح لکھتے تھے (بعد میں قائدِ اعظم کہہ کر بھی مخاطب کرتے رہے)۔ ایک دفعہ انہوں نے قائدِ اعظم سے پوچھا کہ آپ کو کس نام سے مخاطب کیا جائے۔ آپ نے فرمایا۔ "گلاب کو خواہ کوئی نام دیا جائے اس کی خوشبو میں فرق نہیں آتا۔"

قائدِ اعظم لڑکیوں کے ایک کالج میں تشریف لے گئے جہاں پردہ کا خاص اہتمام تھا۔ لیکن لڑکیوں نے ان سے پردہ نہیں کیا۔ بعد میں مادرِ ملت نے کہا کہ لڑکیوں نے آپ کو بزرگ سمجھ کر پردہ نہیں کیا۔ انہوں نے کہا۔ میں اپنا بڑھاپا تسلیم نہیں کرتا۔ خان لیاقت علی خاں نے کہا۔ لڑکیوں نے آپ کو سیاسی شہنشاہ سمجھتے ہوئے آپ سے پردہ نہیں کیا۔ اس پر قائد مسکرائے اور کہا "ہاں، اب

کچھ بات بنی ہے۔"

وکیل محمد علی جناح ایک مقدمے کے دوران میں بحث کر رہے تھے کہ جج نے کہا۔ "مسٹر جناح! میں آپ کی باتیں ایک کان سے سنتا ہوں، دوسرے سے نکال دیتا ہوں۔" جناح نے برجستہ کہا۔ "غالباً آپ کے دونوں کانوں کے درمیان جگہ خالی ہے۔"

ایک مقدمے کی بحث کے دوران جج نے ان سے کہا کہ آپ ذرا بلند آواز میں بولیں، ہم آپ کی گفتگو نہیں سن سکتے۔ انہوں نے جواب دیا "میں ایکٹر نہیں وکیل ہوں۔" جج نے پھر کہا۔ "میں آپ سے ایک دفعہ پھر بلند آواز سے بات کرنے کو کہتا ہوں۔" جناح بولے۔ "اگر آپ اپنے سامنے پڑا کتابوں کا ڈھیر ایک طرف کر دیں تو بآسانی میری بات سن سکیں گے۔"

اکتوبر ۱۹۳۷ء میں مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس لکھنؤ کے موقع پر مجلسِ مضامین کی میٹنگ میں مولانا ظفر علی خاں کی تقریر بہت طویل ہو رہی تھی۔ قائدِ اعظم نے انہیں تقریر دو منٹ میں ختم کرنے کو کہا تو وہ بہت سیخ پا ہوئے۔ انہوں نے کہا کہ ابھی تو میں بہت کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ آپ ارکان سے پوچھ لیں کہ وہ میری تقریر سننا چاہتے ہیں یا نہیں۔ اس پر بعض جوشیلے نوجوانوں نے کہا کہ ہم مولانا کی تقریر سننا چاہتے ہیں۔ قائدِ اعظم نے اپنے مخصوص انداز میں کندھے جھٹکتے ہوئے کہا۔ "بہت اچھا۔ آپ اگر اس عذاب کو طول دینا چاہتے ہیں تو مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔" اس پر مولانا بہت برہم ہوئے اور انہیں بڑی مشکل سے ٹھنڈا کیا جا سکا۔

آل انڈیا مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے اجلاس علیگڑھ کے بعد طلبہ فوٹو کے لیے کھڑے ہوئے تو حمید نظامی گروپ فوٹو میں شامل نہیں ہوئے۔ قائدِ اعظم نے ہنس کر کہا۔ "یہ لڑکا کبھی لیڈر نہیں بن سکتا۔ لیڈر تو فوٹو کے وقت دھکے مار کر

بھی آگے آجاتا ہے۔"

جب کبھی ہندوؤں کی کوئی تحریک ناکام ہو جاتی اور وہ مرن برت اور چرخہ کاتنے کا پاکھنڈ شروع کر دیتے تو قائدِ اعظم فرماتے "دیکھو پتنگ بازی شروع ہو گئی ہے۔"

قائدِ اعظم نے اپنی ایک تقریر میں بتایا کہ ایک چھوٹے سے ریلوے سٹیشن پر بہت سے لوگ "پاکستان زندہ باد" کے نعرے لگا رہے تھے۔ میں نے ایک چھوٹے سے بچے کو اپنے پاس بلا کر پوچھا کہ جو تم نعرے لگاتے ہو اس کا مطلب سمجھتے ہو؟ اس نے جواب دیا "جہاں مسلمانوں کی آبادی زیادہ ہے وہاں مسلمانوں کی حکومت ہونی چاہیے۔" قائدِ اعظمؒ نے یہ واقعہ سُن کر کہا کہ "سات آٹھ سال کا مسلمان تو پاکستان کا مطلب سمجھتا ہے، لیکن یہ مسٹر گاندھی کی سمجھ میں نہیں آتا۔"

ایک مرتبہ مجلسِ قانون ساز میں ایک ممبر نے اپنی تقریر کے دوران میں امریکہ کے صدر ابراہام لنکن کا حوالہ دیا تو قائدِ اعظمؒ نے فوراً کہا "دیکھو ابلیس بائبل کا حوالہ دے رہا ہے حالانکہ اس نے بائبل پڑھی تک نہیں۔"

قائدِ اعظم اور اُردو

آل انڈیا مسلم لیگ کونسل نے ۱۲ اپریل ۱۹۳۶ء کو ایک قرارداد کے ذریعے محمد علی جناح کو مجاز کیا تھا کہ وہ انڈیا ایکٹ کے تحت ہونے والے صوبائی انتخابات میں منشور شائع کریں۔ ۳۱۔ اگست ۱۹۳۶ کو پارلیمنٹری بورڈ کی مجلس دستور ساز کا مرتب کردہ یہ منشور مجلسِ عاملہ نے منظور کیا اور اسی دن اسے شائع کر دیا۔ اس کی شق نمبر ۱۱ یہ تھی۔

"اردو زبان اور رسم الخط کی حفاظت"

منشور کی اشاعت کے بعد مسلم لیگ کی تجدید کی گئی اور اس کا پہلا اجلاس ۱۹۳۷ء میں قائدِ اعظم کی صدارت میں لکھنؤ میں ہوا۔ بابائے اردو ڈاکٹر مولوی عبدالحق لکھتے ہیں کہ ۱۹۳۷ء میں قائدِ اعظم نے شملے سے انہیں خط لکھا جس میں زبان کے مسئلے پر کوئی قطعی رائے قائم کرنے میں مسلم لیگ کونسل کی مدد کے لیے ۱۵ تا ۱۸۔ اکتوبر کو لکھنؤ میں آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس میں شرکت کی دعوت دی۔ اجلاس میں اردو کا رزولیوشن منظور نہ کیا جا سکا۔ کثرتِ رائے سے تو قرارداد منظور ہو سکتی تھی مگر بابائے اردو اسے بالاتفاق پاس کرانا چاہتے تھے۔ اس لیے قرارداد کی یہ شکل منظور ہو سکی۔

"اردو کو تمام ہندوستان کی عام زبان قرار دیے جانے کے لیے کوشش

کی جائے"۔

اس قرارداد کی تحریک راجا امیر احمد خاں (راجا صاحب محمود آباد) نے کی اور تائید کریم رضا، حسن ریاض، غلام حسن اور ایس ایم حسن خان نے کی۔

مسلم لیگ کے محولہ بالا پچیسویں سالانہ اجلاس ہی میں شرکت کے لیے قائد نے میاں بشیر احمد بیرسٹر ایٹ لا (مدیر "ہمایوں") کو بھی اگست ۱۹۳۷ء میں دعوت دی تو انہوں نے لکھا کہ وہ باقاعدہ سیاسی آدمی نہیں ہیں بلکہ انہیں زیادہ تر اپنی قومی زبان اردو سے دلچسپی ہے۔ قائد نے انہیں فرمایا کہ اس وقت ہندوستان کا کوئی مسئلہ ایسا نہیں جو سیاسی نہ بن چکا ہو اور خصوصاً زبان کا مسئلہ۔ اس لیے تم لوگ جو زبان کے مسئلے سے دلچسپی رکھتے ہو، لکھنؤ آؤ۔ اس کے لیے جو سیاسی معاونت ہم کر سکتے ہیں، اس کے لیے تیار ہیں"۔

قائدِ اعظم کا اردو کے بہی خواہوں کو بطورِ خاص لکھنؤ اجلاس میں شرکت کی دعوت دینا اس امر کی واضح دلیل ہے کہ قائد اردو کے مسئلے کو سیاسی سطح پر اٹھانے کا ارادہ رکھتے تھے۔

قائدِ اعظم مسلمانوں کے لیے الگ مملکت کے حصول کے ادعا میں جو دلائل دیتے تھے، ان میں زبان کا ہندوؤں سے الگ ہونا بھی تھا۔ یکم جولائی ۱۹۴۲ء کو ایسوسی ایٹڈ پریس آف امریکہ کو جو بیان دیا، اس میں بھی انہوں نے پہلے زبان کا حوالہ دیا۔ آپ نے فرمایا "ہم مسلمان اپنی تابندہ تہذیب اور تمدن کے لحاظ سے ایک قوم ہیں۔ زبان و ادب، فنونِ لطیفہ، فنِ تعمیر، نام و نسب، شعورِ اقدار و تناسب، قانون و اخلاق، رسم و رواج، تاریخ و روایات اور رجحانات و مقاصد ہر لحاظ سے ہمارا انفرادی زاویۂ نگاہ اور فلسفۂ حیات ہے"۔

دسمبر ۱۹۴۲ء میں قائد نے ایک کتاب "PAKISTAN AND MUSLIM INDIA" پر اپنے پیش لفظ میں بھی قریباً اسی ترتیب سے اپنے تحفظات کو گنوایا اور انہیں دو قومی نظریے کی بنیاد قرار دیا۔ ۱۹۲۹ء میں قائدِ اعظم کے مشہور چودہ نکات میں سے بارھواں نکتہ بھی مسلمانوں کی تہذیب، تمدن، زبان، تعلیم، مذہب، پرسنل لا اور اوقاف کے تحفظ پر مشتمل تھا۔ ۲ نومبر ۱۹۴۱ء کو مسلم یونیورسٹی علیگڑھ میں بھی انہوں نے اپنی روایات، اپنی ثقافت اور اپنی زبان کی حفاظت کے لیے الگ مملکت کا مطالبہ دہرایا۔

قائدِ اعظم محمد علی جناح نوّر اللہ مرقدہٗ خود انگریزی بولتے تھے، انہیں اردو نہیں آتی تھی۔ اس کے باوجود انہوں نے مختلف مقامات میں اردو میں اظہارِ خیال کرنے کی کوشش کو اپنے لیے فخر و مباہات کا باعث جانا۔ ۱۹۲۰ء میں صوبائی مسلم لیگ کے زیرِ اہتمام دہلی میں ایک جلسۂ عام ہوا۔ یہ جلسۂ عام اردوئے معلیٰ کے گڑھ لال قلعہ اور جامع مسجد دہلی کے درمیانی میدان "اردو پارک" میں ہوا۔ قائد سے پہلے عبدالسلام، حسین امام اور دوسرے اہلِ زبان نے فصیح و بلیغ اردو میں تقاریر کیں۔ لیکن قائد نے سٹیج پر آتے ہی کہا "برادرانِ ملت! السلام علیکم۔ آپ نے دلی کا اردو سنا۔ اب آپ بامبے کا اردو سنیے"۔ انہوں نے اپنی تقریر میں قومی زندگی کی حیات و ممات کی وجوہ کا ذکر کرتے ہوئے مسلمانوں سے کہا "تم جندی رہنا چاہتے ہو یا مُردی، یہ فیصلہ کرو"۔ جب وہ پہلی بار اسلامیہ کالج لاہور کے حبیبیہ ہال میں تقریر کے لیے آئے تو اردو کو ذریعۂ اظہار بنایا لیکن وہ پنجاب کے گورنر کے بارے میں کہنا چاہتے ہیں کہ وہ پاگل ہو گیا ہے "پاگل" کا لفظ ان کے ذہن میں نہیں آیا تو انہوں نے انگریزی ہی میں فقرہ مکمل کیا۔ ایک تقریر میں انہوں نے "آج چراغاں ہوگا" کو "آج چمکی ہوگی" کہا تھا۔

ڈاکٹر مولوی عبدالحق (بابائے اردو) کہتے ہیں، تقسیم سے کئی برس پہلے اینگلو

عربک کالج دہلی میں قائدِاعظمؒ نے طلبہ سے خطاب کیا۔ کھانے کے بعد ہمیں بتایا کہ انہوں نے اردو میں سب سے پہلی تقریر میمن سنگھ (مشرقی پاکستان۔ اب بنگلہ دیش) میں کی تھی۔ لوگ توقع سے زیادہ جمع ہو گئے۔ قائد نے اپنے ہمراہی سر عزیز الحق سے پوچھا کہ اس مجمع میں انگریزی سمجھنے والے کتنے ہوں گے، انہوں نے کہا زیادہ سے زیادہ پانچ سو ہوں گے۔ پھر پوچھا اردو سمجھنے والے کتنے ہوں گے انہوں کہا ڈیڑھ دو ہزار۔ اس کے بعد عزیز الحق نے کہا کہ آپ انگریزی میں تقریر فرمائیے میں اس کا بنگالی میں ترجمہ کروں گا۔ قائدِاعظمؒ نے فرمایا کہ وہ اردو ہی میں تقریر کریں گے اور انہوں نے اردو میں اپنی پہلی تقریر کی۔ یہ واقعہ سنانے کے بعد قائدِاعظم نے بابائے اردو سے ہنس کر فرمایا "میری اردو تانگے والے کی اردو ہے۔" مطلب یہ ہوا کہ قائدِاعظم اپنی "تانگے والے کی زبان' اردو" پر شرماتے نہیں تھے، اس میں اظہارِ خیال کرتے ہوئے اگرچہ انہیں دقت بھی ہوتی تھی، پھر بھی اس کی قومی اہمیت کے پیشِ نظر اس میں تقریر فرمائی۔ اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ قائد کی بصیرت نے محسوس کر لیا تھا کہ اردو کے خلاف بنگال ہی سے آواز اُٹھ سکتی ہے، اسی لیے اپنی زندگی کی پہلی اردو تقریر بنگال میں کی۔

فروری ۱۹۴۶ء میں انجمن ترقی اردو کی سالانہ کانفرنس بمبئی میں ہوئی جس میں قائدِاعظم کا ہمت افزا پیغام پڑھ کر سنایا گیا۔ کانفرنس کے بعد بابائے اردو قائد سے ملے تو انہوں نے بخار میں مبتلا ہونے کے باوجود ان سے کافی دیر تک کانفرنس اور اردو کی ترقی کے بارے میں باتیں کیں۔ ۱۹۴۶ء ہی میں دارالسلام (حیدرآباد دکن) میں قائدِاعظمؒ نے ایک لاکھ کے مجمع میں بہت صاف اور اچھی اردو میں تقریر کی۔ آدھ گھنٹے سے زیادہ دیر تک اردو میں تقریر کرنے کے بعد انہوں نے انگریزی میں تقریر فرمائی۔

قائدِاعظم رحمہ اللہ تعالیٰ نے اردو کو پاکستان کی قومی زبان قرار دینے کا اعلان

سب سے پہلے ۱۹۴۶ء میں کیا۔ مسلم لیگ کونسل کے اجلاس منعقدہ دہلی میں سر فیروز خان نون نے اپنی تقریر انگریزی میں شروع کی تو ہر طرف سے شور اٹھا "اردو۔ اردو"۔ انہوں نے مجبور ہو کر اردو میں چند جملے کہے اور پھر انگریزی پر اُتر آئے۔ پھر ہنگامہ ہوا تو فیروز خاں نون نے جل کر کہا "مسٹر جناح بھی تو انگریزی میں تقریر کرتے ہیں۔" یہ سن کر قائدِاعظم اپنی کرسی سے اُٹھ کھڑے ہوئے اور فرمایا "سر فیروز خان نون نے میرے پیچھے پناہ لی ہے، لہٰذا میں اعلان کرتا ہوں کہ پاکستان کی زبان اردو ہوگی۔"

پھر قیامِ پاکستان کے بعد ۱۹۴۸ء میں ڈھاکہ میں اردو کے خلاف شورش برپا ہوئی تو قائدِاعظم علیہ الرحمہ نے اپنی علالت کے باوجود مشرقی پاکستان کا دورہ کیا اور ۲۲ مارچ کو اپنی تقریر کے دوران واضح اور دو ٹوک انداز میں فرمایا "میں واضح طور پر کہہ دینا چاہتا ہوں کہ پاکستان کی سرکاری زبان اردو ہی ہوگی، کوئی دوسری زبان نہیں۔" "ہر وہ شخص جو اس بارے میں غلط فہمی پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے، یقیناً پاکستان کا دشمن ہے۔ ایک سرکاری زبان کے بغیر کوئی قوم نہ تو مربوط رہ سکتی ہے، نہ اپنا کام خوش اسلوبی سے انجام دے سکتی ہے۔ جہاں تک سرکاری زبان کا تعلق ہے، پاکستان کی سرکاری زبان اردو ہوگی۔"

قائدِاعظمؒ نے فرمایا: "اردو وہ زبان ہے جسے برِصغیر کے کروڑوں مسلمانوں نے پرورش کیا ہے۔ اسے پاکستان کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک سمجھا جاتا ہے۔ یہ وہ زبان ہے جو دوسری صوبائی اور علاقائی زبانوں سے کہیں زیادہ اسلامی ثقافت اور اسلامی روایات کے بہترین سرمائے پر مشتمل ہے۔ اور دوسرے اسلامی ملکوں کی زبانوں سے قریب ترین ہے۔ یہ بات بھی اردو کے حق میں جاتی ہے اور یہ بہت اہم ہے کہ بھارت نے اردو کو دیس نکالا دے دیا ہے، حتیٰ کہ اردو

رسم الخط کو ممنوع قرار دے دیا ہے۔"

" پاکستان کی سرکاری زبان جو مملکت کے مختلف صوبوں کے درمیان افہام و تفہیم کا ذریعہ ہو، صرف ایک ہی ہو سکتی ہے اور وہ اردو ہے۔ اُردو کے سوا کوئی اور زبان نہیں۔"

قائدِ اعظم اور طلبہ

قائدِ اعظم محمد علی جناح رحمہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانانِ ہند کو خوابِ غفلت سے جگایا، اُن میں اسلامی تشخص کو بیدار کیا، اُن کے مختلف طبقوں میں احساسِ انفرادیت کو پروان چڑھایا۔ بانیٔ پاکستان نے نوجوانوں، بوڑھوں، بچوں اور عورتوں ــــــ سب کو ان کی ذمہ داریوں کا احساس دلایا، ایک علیحدہ مملکت کے حصول کی جدّوجہد میں انہیں پوری محنت اور دیانتداری سے اپنا کردار ادا کرنے کی نہ صرف تلقین کی بلکہ راہِ عمل سجھائی اور پوری طرح اُن کی رہنمائی کی۔ انہوں نے علی گڑھ میں مسلمان طلبہ کو ملّی تقاضوں اور قومی ضرورت کا احساس دلایا۔ قائدِ اعظم کی اس تقریر کے نتیجہ میں مسلم طلبہ نے "مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن" کی بنیاد رکھی۔ قائد نے نومبر ۱۹۴۳ء میں دہلی میں اس کا افتتاح کرتے ہوئے فرمایا "اپنے آپ کو اس قابل بنائیے کہ آپ کی مدد سے مسلمانانِ ہند اپنی منزلِ مقصود تک رسائی حاصل کر سکیں۔ ہماری سب اُمیدوں کا مرکز قوم کے نوجوان ہیں۔"

یہ حقیقت پیشِ نظر رہنی چاہیے کہ طلبہ کی اہمیت کا احساس قائدِ اعظمؒ کو قیامِ پاکستان کی تحریک کے دوران نہیں ہوا۔ یہ بات نہیں کہ اُنہیں تحریک کی کامیابی کے لیے جوان خون کی ضرورت پڑی اور اُنہوں نے مسلم جوانوں کو سیاست میں گھسیٹ لیا بلکہ واقعہ یہ ہے کہ اُنہوں نے ہمیشہ نوجوانوں کی تربیت پر زور

دیا ہے لیکن انہیں عملی طور پر سیاست میں حصہ لینے سے ہمیشہ روکا۔ ۱۹۱۳ء میں جب محمد علی جناح ہندوستان کے ایک لیڈر کی حیثیت سے انگلستان گئے تو وہاں کے ہندوستانی طلبہ کے ایک جلسے منعقدہ کیکسٹن ہال میں خطاب کرتے ہوئے آپ نے کہا: "آپ ہندوستان اور انگلستان کے سیاسی مسائل میں اور زیادہ دلچسپی لیں لیکن عملی سیاست میں حصہ نہ لیں بلکہ پہلے اپنی تعلیم مکمل کریں۔ آپ کو صرف سیاسی مفکر ہونا چاہیے تاکہ جب آپ عملی سیاست میں قدم رکھیں تو روشن خیالی اور ترقی کے مبلغ کی حیثیت سے کام کر سکیں"۔

۱۹۳۸ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس پٹنہ میں انہوں نے نوجوانوں کو کانگرس کے دام ہم رنگِ زمین کی نشاندہی کیا اور مسلم لیگ کی جدوجہد کے خلاف ہندوؤں کے پروپیگنڈے کا پردہ چاک کرتے ہوئے فرمایا کہ "جب ہمیں کانگرس کی ان چالوں کا اندازہ ہوا اور ان کی مذموم حرکتوں کا علم ہوا تو ہم نے اپنے نوجوانوں کو آگاہ کیا کہ انہیں گمراہ کیا جا رہا ہے"۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ قائدِاعظم کو مسلمان نوجوانوں کی گمراہی کا تصور پریشان کرتا رہا اور انہوں نے کانگرس کی ژاژخائی اور ہرزہ سرائی کی اصلیت نوجوانوں پر ظاہر کرنے کو اہم سمجھا۔

قائدِاعظمؒ نے ۲ نومبر ۱۹۴۲ء کو مسلم یونیورسٹی علیگڑھ کی سٹوڈنٹس یونین سے خطاب کرتے ہوئے نوجوانوں کو ایمان، اتحاد اور نظم کی تلقین کی۔ فرمایا: "ایمان، اتحاد اور نظم و ضبط ہمارے تین کارآمد ہتھیار ہیں۔ اگر آپ ہندوستان میں اسلام کا نام بچانا چاہتے ہیں تو فی الفور اس کا دل میں عہد کریں۔ مسلمانانِ ہند خواب سے بیدار ہو چکے ہیں، وہ قومی اتحاد اور باہمی اعتماد کی اہمیت سمجھ چکے ہیں۔ اگر ہم اپنے عہد پر قائم رہے تو دنیا کی کوئی طاقت ہمیں غلام نہ رکھ سکے گی"۔

۱۵ نومبر ۱۹۴۲ء کو مسلم سٹوڈنٹس کانفرنس جالندھر سے خطاب کرتے ہوئے

قائد نے فرمایا: "میں چاہتا ہوں کہ آپ اپنے اندر وہ اوصاف پیدا کریں جن کے ذریعے طالب علمانہ زندگی ختم کرنے کے بعد عملی سیاست کی جدوجہد میں کامیاب ہوں۔ آپ اس وقت اپنے آپ کو تیار اور ضروری ساز و سامان یعنی علم و آگاہی اور توفیقِ عمل سے آراستہ کریں۔ آپ کی اوّلین اور اہم ترین ضرورت ہے مطالعہ، مطالعہ، مطالعہ"۔

بابائے قومؒ نے ہمیشہ نوجوانوں کے جوش و جذبہ کو عملی سیاست میں استعمال کرنے کے بجائے انہیں حصولِ علم پر توجہ دینے کی ترغیب دی۔ ناگپور میں بھی طلبہ سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے فرمایا: "طلبہ سے عملی سیاست میں حصہ لینے کی توقع نہیں کی جاتی۔ والدین یا قوم کی طرف سے ان کا اوّلین فرض یہ ہے کہ وہ اپنی توجہ اپنی تعلیم پر مرکوز رکھیں۔ لیکن اپنے اوّلین فرض کو یاد رکھتے ہوئے اس امر پر بھی توجہ دیں کہ اپنے ملک کی سیاسی، معاشرتی اور اقتصادی سرگرمیوں سے بھی آگاہ رہنا ضروری ہے۔ نہ صرف اپنے ملک بلکہ تمام دنیا کی سیاسی سرگرمیوں سے بھی۔ کیونکہ یہ آگاہی بھی تعلیم ہی کا حصہ ہے"۔

بانیٔ پاکستان نے قیامِ پاکستان کے بعد لاہور میں طلبہ سے خطاب کرتے ہوئے (۳۰ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو) فرمایا: "اس ملک کے تمام باشندوں بالخصوص نوجوانوں کو میرا مشورہ یہ ہے کہ مردانگی، وابستگی اور جرأت کی ایسی مثالیں قائم کریں جو آنے والی نسلوں کے لیے مشعلِ راہ ثابت ہوں"۔ انہوں نے نظم و ضبط اور احترامِ قانون کی تلقین کرتے ہوئے نوجوانوں سے کہا: "قانون کو اپنے ہاتھ میں لینے کے رجحانات کی ہرگز ہرگز حوصلہ افزائی نہ کریں۔ نظم و ضبط کے بغیر قومی ترقی کا کوئی امکان نہیں"۔

۱۲ اپریل ۱۹۴۸ء کو قائدِاعظمؒ نے اپنے دورۂ سرحد میں اسلامیہ کالج پشاور کے طلبہ سے خطاب کیا۔ ۱۸ اپریل کو ایڈورڈز کالج پشاور کی ایک تقریب میں

مہمانِ خصوصی کے طور پر شرکت کی اور طلبہ کو حکومت پر تعمیری تنقید کی تلقین کی اور فرمایا: "جب آپ کی حکومت کوئی اچھا کام کرے تو اس کی تعریف کیجیے۔ ہاں جب حکومت کوئی غلط کام کرے تو بے خوفی سے تنقید کیجیے۔ بشرطیکہ یہ نکتہ چینی ایماندارانہ اور تعمیری انداز میں کی گئی ہو۔"

۲۴ مارچ ۱۹۴۸ء کو ڈھاکہ یونیورسٹی کے جلسۂ تقسیم اسناد میں صدارتی تقریر کرتے ہوئے انہوں نے طلبہ کو کسی سیاسی پارٹی کا آلۂ کار نہ بننے کی ہدایت کی۔

یاد رہے کہ قائدِ اعظمؒ نے تحریکِ پاکستان میں بھی طلبہ کو ہمیشہ یہی کہا کہ وہ اپنی تمام تر توجہ تحصیلِ علم کی طرف مبذول رکھیں۔ ہاں جب انہوں نے محسوس کیا کہ کانگرس طلبہ کو غلط راہ پر لگا رہی ہے تو انہوں نے کانگرس کی چالوں سے طلبہ کو باخبر ضرور کیا۔ قیامِ پاکستان کے بعد بھی انہوں نے یہی رویّہ اختیار کیا۔ جونہی اُنہوں نے محسوس کیا کہ مشرقی پاکستان میں کوئی سیاسی پارٹی طلبہ کو ورغلا کر ملک کی سالمیت کے خلاف استعمال کرنا چاہتی ہے، اُنہوں نے طلبہ کی رہنمائی فرمائی۔ اُنہوں نے اپنی اس تاریخی تقریر میں فرمایا: "تم سب سے بڑی غلطی کے مرتکب ہوگے اگر تم نے اس بات کا موقع دیا کہ کوئی پارٹی تمہیں اپنے مقاصد کا آلۂ کار بنا لے اور سیاسی مقاصد کے لیے تم سے ناجائز فائدہ اُٹھائے۔" قائد نے اپنی تقریر ان الفاظ پر ختم کی: "آپ کی بھلائی بلکہ ساری مملکت کی بھلائی اس میں ہے کہ آپ کی توجہ صرف حصولِ علم کے لیے وقف رہے۔"

یکم مارچ ۱۹۴۱ء کو پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن نے لاہور میں "پاکستان کانفرنس" کی جس کی صدارت قائدِ اعظم نے فرمائی۔ انہوں نے وہاں اردو میں تقریر کی اور جلسے کے بعد طلبہ کی تقریروں کے متعلق یوں اظہارِ خیال فرمایا: "میں نے نوجوانوں کی تقریریں سنیں اور اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ نوجوان نوجوان ہی ہوتے

ہیں۔ ان میں بوڑھوں کے تدبّر کا فقدان ہوتا ہے۔"

حکیم آفتاب حسن قریشی لکھتے ہیں کہ میں نے ایک دفعہ قائدِ اعظم سے نوجوانوں کے لیے پیغام کی درخواست کی تو انہوں نے فرمایا "میرا پیغام تم نوجوانوں کے لیے یہی ہے کہ ڈسپلن اور تنظیم قائم کرو اور ہر قربانی کے لیے تیار ہو جاؤ۔ قوموں کی آزادی کے گلستان خون سے سینچے جاتے ہیں۔ مصائب سے گزر کر برائیوں کی آلائش دور ہو جاتی ہے اور قوم کے جوہر نکھرتے ہیں۔" آفتاب احمد قریشی کہتے ہیں کہ قیامِ پاکستان کے بعد قائدِ اعظمؒ کہا کرتے تھے "میں چاہتا ہوں کہ طلبہ آزاد سرزمین میں زندگی بسر کریں اور اپنی تخلیقی اور تعمیری قوتوں کو بروئے کار لائیں۔"

۱۹۴۲ء میں علی گڑھ میں "بچہ مسلم لیگ" قائم ہوئی۔ قائدِ اعظمؒ نے اس کی سرپرستی قبول فرماتے ہوئے اپنے پیغام میں انہیں لکھا: "آپ کے لیے میرا پیغام ہے نظم و ضبط، اتحاد اور کام۔ اپنے لوگوں کی فلاح و بہبود کے لیے کام کیجیے۔ خلوص سے کھل کر اور بے لوث و بے غرض۔"

نئی نسل سے قائدِ اعظم کی دلچسپی کا اندازہ اس پیغام سے ہو سکتا ہے جو عید الفطر کے موقع پر ۱۹۳۹ء میں بمبئی ریڈیو سے نشر ہوا۔ آپ نے فرمایا: "ہم پرانی نسلوں کے لوگ اپنی آزمائشوں سے گزر چکے، آج رات میری خواہش ہے کہ میں ان کاوشوں، پریشانیوں اور آزمائشوں کو اپنے دوستوں کی رفاقت میں زائل کر دوں خصوصاً نوجوانوں کے ساتھ میں نئے اور تازہ احساسات اور جذبات کو چھونا چاہتا ہوں جو اُن کے دلوں میں موجزن ہیں اس لیے کہ یہ وہی لوگ ہیں جو ہمارے جذبات اور احساسات کا بوجھ اُٹھائیں گے۔"

قائدِ اعظمؒ اور خواتین

۱۹۳۸ء کے مسلم لیگ کے اجلاس (پٹنہ) میں قائدِ اعظم علیہ الرحمہ نے مسلم خواتین سے اپیل کی کہ وہ بھی مسلم لیگ میں شامل ہو جائیں اور جدّ و جُہدِ آزادی میں حصّہ لیں۔ اُنہوں نے خواتین آل انڈیا مسلم لیگ سب کمیٹی قائم کر دی۔ اس سب کمیٹی کو اختیار دیا گیا کہ یہ اپنی شاخیں ہر صوبے میں کھولے۔ پھر شہروں اور محلّوں میں کمیٹیاں قائم کی جائیں۔ مندرجہ ذیل خواتین مسلم لیگ کی پہلی سب کمیٹی میں شامل تھیں؛

بیگم شاہ نواز۔ مسز رشیدہ لطیف۔ لیڈی جمال خاں۔ لیڈی عبد القادر (پنجاب) مس فاطمہ جناح۔ مسز فیض طیب جی۔ بیگم حفیظ الدین (بمبئی)۔ بیگم شہاب الدین۔ مسز ایم اصفہانی (بنگال) بیگم حبیب الرحمٰن۔ بیگم اعزاز رسول۔ بیگم وسیم۔ بیگم محمد علی۔ بیگم نواب اسماعیل خاں۔ مس راحیلہ خاتون (یوپی)۔ مس نادر جہاں آف سیونی۔ بیگم نواب صدیق علی خاں (سی پی) لیڈی امام۔ بیگم اختر (بہار) مسز عطار الرحمٰن۔ مسز جے خاں (آسام) مسز طیب جی۔ لیڈی ہدایت اللہ بیگم شعبان۔ لیڈی ہارون (سندھ) بیگم حاجی سعد اللہ خاں۔ مسز خواجہ اللہ بخش (سرحد) مسز حسین ملک۔ مسز نجم الحسین۔ بیگم رحمان (دہلی) مسز عائشہ کلھا مورو حاجی۔ مسز قریشی (مدراس)۔

بیگم محمد علی نے ملک کا دورہ کر کے چند صوبائی کمیٹیاں قائم کیں۔ مگر وہ چونکہ

آل انڈیا مسلم لیگ ورکنگ کمیٹی کی رکن تھیں، اس عدیم الفرصتی کے باعث صدارت سے الگ ہو گئیں اور لیڈی عبد اللہ ہارون اس کی صدر بن گئیں اور خواتین مسلم لیگ نے ملک میں دن رات کام کیا۔

مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن عمل میں آئی تو اس کی گرلز فیڈریشن الگ بن گئی اور مسلمان لڑکیوں میں بھی پورے زور و شور سے بیداری کی لہر دوڑ گئی۔

۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کے لاہور کے مشہور اجلاس میں جہاں قراردادِ پاکستان منظور کی گئی تھی، بیگم محمد علی جوہر نے خواتین کی نمائندگی کرتے ہوئے تقریر کی۔ اسی اجلاس میں قائدِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے خطبۂ صدارت میں خواتین کے دو سالہ کام کا جائزہ لیتے ہوئے فرمایا: "آپ کو یاد ہو گا کہ اجلاس پٹنہ میں خواتین کی ایک کمیٹی قائم کی گئی تھی، یہ بات ہمارے لیے بہت اہم ہے کیونکہ میں زندگی کی جدّ و جُہد میں خواتین کو شریک ہونے کا ہر موقع فراہم کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ خواتین اپنے گھروں میں اور باپردہ رہ کر بھی بہت زیادہ کام کر سکتی ہیں۔ ہم نے یہ کمیٹی اس غرض سے بنائی تھی کہ وہ مسلم لیگ کے کاموں میں حصّہ لے سکیں۔ اس مرکزی کمیٹی کے حسبِ ذیل فرائض تھے۔ صوبائی اور ضلع وار مسلم لیگ کی تنظیم۔ مسلم لیگ میں زیادہ سے زیادہ خواتین کی رکن سازی۔ پورے ہندوستان میں وسیع پیمانے پر پروپیگنڈا کرنا تاکہ عورتوں میں اور زیادہ سیاسی شعور بیدار ہو۔ یاد رکھیے، اگر خواتین میں سیاسی شعور بیدار ہو گیا تو آپ کے بچوں کو فکر و تردّد سے دوچار نہیں ہونا پڑے گا۔ مسلم معاشرے کی ترقی کے لیے ایسے تمام معاملات میں ان کی رہنمائی کرنا اور مشورہ دینا جن کی ذمہ داری خواتین پر عائد ہوتی ہے، ضروری ہے۔ مجھے یہ بتاتے ہوئے مسرّت ہے کہ اس مرکزی کمیٹی نے سنجیدگی اور جوش و خروش کے ساتھ اپنا کام شروع کر دیا ہے اور اب تک مفید کام انجام دے چکی ہے۔ مجھے اس بات

میں قطعی شبہ نہیں کہ جب ہم ان کی کارگزاریوں کی رپورٹ پر غور کریں گے تو واقعی ہم ان کی خدمات کے ممنون ہوں گے جو انہوں نے مسلم لیگ کے لیے انجام دی ہیں۔"

دہلی خواتین مسلم لیگ نے عربیک کالج میں قائدِاعظمؒ کے خطاب کا بندوبست کیا۔ تو قائد نے اردو میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا۔" مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہے کہ اب خواتین بالکل متحد ہیں۔ اور آپ نے ملک کے ہر شہر اور ہر محلّے میں تنظیمیں قائم کی ہوئی ہیں۔ دراصل آپ کا اتحاد ہی بہت بڑی چیز ہے۔ اتحاد اور تنظیم ہی ہمیں کامیابی تک پہنچا سکتی ہے۔ آپ نے بہت کام کیا ہے اور بہت جلد۔ مگر میری ہدایت ہے کہ آپ اور بھی متحد ہو جائیں اور اس سے بھی زیادہ جوش سے کام کریں۔"

تحریکِ پاکستان کے دوران میں قائد نے کئی مواقع پر خالص خواتین کے اجتماعات سے بھی خطاب کیا لیکن کبھی صراحتاً یا کنایتہً پردے کو ترقی کی راہ میں رکاوٹ قرار نہیں دیا بلکہ ہمیشہ اس کا احترام کیا۔ ۲۲ نومبر ۱۹۴۲ء کو آپ اسلامیہ کالج فار ویمن، کوپر روڈ لاہور میں طالبات سے خطاب کے لیے تشریف لے گئے تو طے پایا کہ آپ پس پردہ خطاب کریں گے۔ عین وقت پر بارش اور آندھی آ گئی اور تمام انتظامات جو کالج کے میدان میں کیے گئے تھے، درہم برہم ہو گئے۔ متبادل انتظام یہ کیا گیا کہ طالبات اور حضرات کی نشستیں ہوسٹل کے برآمدوں میں لگائی گئیں اور ہوسٹل کی ڈیوڑھی سے آگے قائدِاعظمؒ کے خطاب کے لیے جگہ بنائی گئی۔ یہ جگہ خاصی تکلیف دہ تھی لیکن قائد نے نہایت خوشی اور فخر کے ساتھ طالبات سے خطاب کیا اور پس پردہ رہ کر انہیں نظریۂ پاکستان بتایا۔ اور اسے روبہ عمل لا کر الگ مملکت کے حصول میں طالبات کے کردار پر روشنی ڈالی۔ انہوں نے فرمایا: "کوئی قوم اپنی عورتوں کے تعاون کے بغیر ترقی نہیں کر سکتی۔ اگر مسلم خواتین اپنے

مردوں کو اسی طرح تقویت پہنچاتی رہیں جس طرح انہوں نے عہدِ رسالت میں مردوں کو پہنچائی تھی، تو ہم بہت جلد اپنا مقصود حاصل کر لیں گے۔"

۱۰ مارچ ۱۹۴۴ء کو انہوں نے مسلم یونیورسٹی علیگڑھ میں مزید وضاحت سے فرمایا: "کوئی قوم اپنی شان و شوکت کی بلند ترین منزل تک نہیں پہنچ سکتی جب تک اس کی عورتیں بھی دوش بدوش اپنے مردوں کے ساتھ نہ ہوں۔ یہ انسانیت کے خلاف بڑا جرم ہے کہ ہماری عورتیں گھروں کی چار دیواریوں کے اندر قیدیوں کی طرح زندگی گزاریں۔ لیکن میرا مطلب یہ نہیں کہ ہم مغربی زندگی کی برائیوں کی نقالی شروع کر دیں۔ ہمیں اپنے اسلامی تصورات اور معیار کے مطابق اپنی عورتوں کو بلندیوں تک لانا ہے۔ . . . کسی قابل عورت سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی کہ وہ اپنے بچوں کی پرورش و پرداخت صحیح طریقے سے نہیں کرے گی۔ ہماری عورتوں میں پوری صلاحیت موجود ہے کہ وہ اپنے بچوں کی پرورش صحیح خطوط پر کریں۔ یہ ہمارا قیمتی سرمایہ ہیں، ان کو ضائع نہیں کرنا چاہیے۔"

بیگم جہاں آرا شاہنواز کہتی ہیں کہ قائدِاعظمؒ نے ان سے فرمایا کہ "مسلمان عورت کا پردہ شرعی ہونا چاہیے۔ اس کا چہرہ اور ہاتھ کھلے رہیں، وہ سادہ لباس پہنے اور مردوں کے دوش بدوش قومی تعمیر کے کاموں میں حصّہ لے، وہ اقتصادی اعتبار سے خود مختار ہو اور اس کو تمام شرعی حقوق حاصل ہوں۔"

۸ فروری ۱۹۴۸ء کو مسلم لیگ شعبۂ خواتین سے کراچی میں خطاب کے دوران فرمایا۔" آپ نے پاکستان کے لیے بہت سی قربانیاں دی ہیں۔ اس پاکستان کے لیے جسے اب ساری دنیا حقیقت کے طور پر تسلیم کر چکی ہے۔ بس ایک قدم اور آگے بڑھانا ہے۔ وہ وقت دور نہیں، جب ساری دنیا پاکستان کی تعریف و توصیف کرے گی۔"

۲۸ مارچ ۱۹۴۸ء کو ڈھاکہ ریڈیو سے اپنی تقریر میں خواتین کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: "قوم کی تعمیر اور اس کے استحکام کے عظیم کام کے سلسلے میں خواتین کو اہم کردار ادا کرنا ہے۔ خواتین قوم کے نوجوانوں کے کردار کی اوّلین معمار ہوتی ہیں جو مملکت کے لیے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے ہیں۔ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ حصولِ پاکستان کی جدوجہد میں مسلمان خواتین اپنے مردوں کے پیچھے مضبوطی سے ڈٹی رہی ہیں۔ تعمیرِ پاکستان کی اس سے بھی سخت اور بڑی جدوجہد میں جس کا ہمیں اب سامنا ہے ایسا نہ کہا جائے کہ پاکستان کی خواتین پیچھے رہ گئیں اور اب فریضہ ادا کرنے سے قاصر رہیں۔"

قائدِ اعظمؒ اور دفاعِ وطن

قائدِ اعظم محمد علی جناح رحمۃ اللہ علیہ نے دفاعی اور فوجی امور میں ہمیشہ شدید دلچسپی کا اظہار کیا۔ اُنھوں نے ہمیشہ اس بات پر زور دیا کہ ملک کے تحفظ اور دفاع کی ذمہ داری سب سے اہم ہے اور وہ ملک کے تمام باسیوں کی ذمہ داری ہے۔ اسی لیے اپنے قیام کوئٹہ کے دوران میں بابائے قوم نے اپنے معالج ڈاکٹر ریاض علی شاہ سے فرمایا: "مجھے یقین ہے کہ دشمن نے پاکستان پر حملہ کیا تو پاکستان اپنے آخری فرزند تک حملہ آور کے خلاف جنگ جاری رکھے گا۔ حکومتِ پاکستان اور پاکستانی عوام کو دفاع کے مسئلے کو دوسری تمام باتوں پر مقدم رکھنا چاہیے۔"

قائدِ اعظمؒ نے شروع ہی سے ملکی دفاع کی اہمیت پر زور دیا اور اس کے لیے اپنی پوری دفاعی بصیرت کے ساتھ افواج میں ہندوستانی افسروں کی نمائندگی کا سوال انگریز حکام کے سامنے اُٹھایا۔ آپ نے ۸ مارچ ۱۹۲۴ء کو اسمبلی میں بجٹ پر عام بحث کے دوران میں اس بات پر سخت احتجاج کیا کہ دفاع پر کثیر اخراجات کے باوجود افواجِ ہند میں ہندوستانی افسروں کی نمائندگی نہ ہونے کے برابر ہے۔ چنانچہ محمد علی جناح ہی کے بار بار کے مطالبے پر ہندوستانی افسروں کو فوجی تربیت دینے کا پہلا ملٹری کالج ڈیرہ دُون میں قائم کیا گیا۔ کالج کا انتظام کرنے والی کمیٹی کے سربراہ بھی جناح ہی تھے۔ اُنھوں نے ۱۸ فروری ۱۹۲۵ء کو پھر فوج کی تنظیمِ نو کا سوال اُٹھایا اور اس کے لیے جامع سکیم تیار کرنے پر زور دیا۔

قائدِ اعظم کی سوچی سمجھی رائے تھی کہ ملک کے دفاع کی ذمہ داری اسی ملک کے باسیوں پر ہونی چاہیے اور یہ کام جس محنت و دیانت کا متقاضی ہے، وہ غیر ملکیوں سے نہیں ہو سکتی۔ اس لیے انہوں نے ۷ جنوری، ۹ جنوری اور ۱۲ جنوری ۱۹۳۱ء کو قومی دفاع کے اہم تقاضوں پر خطاب کیا۔ اور افواج میں ملکی افسروں کی اہمیت جتائی۔

مسلمانانِ ہند کے مسائل کے حل کے موضوع پر تبادلۂ خیالات کرتے ہوئے قائدِ اعظم نے نواب بہادر یار جنگ سے کہا۔ "دورِ رسالت کے دو واضح حصے ہیں، مکی اور مدنی۔ مکی دور تنظیم و تربیت کا دور تھا۔ مدنی دور دفاعِ ملک و ملت اور جہاد کا دور تھا۔ میں تنظیمی دور کے تقاضوں سے عہدہ برآ ہو سکتا ہوں اور مجھے یقین ہے کہ میں مسلمانانِ ہند کو منظم کر لوں گا۔ لیکن میں اپنے آپ کو سپہ سالاری اور جنگ آزمائی کے مقتضیات کے قابل نہیں سمجھتا۔ معلوم اس ملت کو جہاد کے لیے قیادت کرنے والا کوئی مردِ میدان میسر آئے گا یا نہیں ؟ ۔"

پاکستان کو انتقالِ اقتدار کا مسئلہ سامنے آیا تو ۳۰ اپریل ۱۹۴۷ء کو آپ نے واضح طور پر اعلان کر دیا کہ انتقالِ اقتدار افواج اور دفاعی ساز و سامان کی تقسیم کے بغیر ممکن نہیں۔ قائدِ اعظم نے ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء (قیامِ پاکستان) سے اپنی وفات تک دس سے زائد موقعوں پر مسلح افواج کے افسروں اور جوانوں سے براہِ راست خطاب فرمایا یا پیغامات ارسال کیے۔

۸ نومبر ۱۹۴۷ء کو مسلح افواج کے نام ایک پیغام میں بابائے قوم نے فرمایا "میں چاہتا ہوں کہ آپ مکمل اتحاد اور ہم آہنگی کے ساتھ کام کریں اور اُن خطرات کو پیشِ نظر رکھیں جو اس وقت ہمیں درپیش ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ ہم ان خطرات سے کامیابی کے ساتھ گزر جائیں گے، پاکستان کی عزت اور وقار میں اضافہ کریں گے

اور اسلام کی اعلیٰ روایات اور اپنے قومی پرچم کو بلند رکھیں گے۔"

بانیٔ پاکستان نے پاکستانی بحریہ کے جہاز "دلاور" کے یونٹ کو خطاب کرتے ہوئے ۲۳ جنوری ۱۹۴۸ء کو فرمایا: ہر چند کہ ہم اقوامِ متحدہ کے منشور کی پوری تائید کرتے ہیں، پھر بھی اپنے دفاع کی طرف سے غافل نہیں رہ سکتے۔ کیونکہ اقوامِ متحدہ کا ادارہ کتنا ہی مضبوط کیوں نہ ہو جائے، اپنے دفاع اور حفاظت کی بنیادی ذمہ داری ہماری ہی رہے گی۔ اس لیے ضروری ہے کہ پاکستان تمام خطرات اور آنے والے حوادث سے مقابلہ کرنے کے لیے بالکل تیار رہے۔ اس ناقص اور خام دنیا میں کمزوری اور نہتا پن دوسروں کو حملے کی دعوت دینے کے مترادف ہے۔" قائدؒ نے فرمایا۔ "آپ کے وردِ زباں یہ الفاظ ہونے چاہئیں "ایمان، نظم، ایثار و قربانی۔" آپ کو تعداد کی کمی کو جرأت، دلیری اور بے لوث فرض شناسی سے پورا کرنا ہو گا۔ اس لیے کہ زندگی بذاتِ خود کچھ نہیں، جو شے اسے بامقصد بناتی ہے، وہ جرأت، استقلال اور وہ مضبوط ارادہ ہے جس سے آپ زندگی کو مزین کرتے ہیں۔"

۲۱۔ فروری ۱۹۴۸ء کو قائدِ اعظم علیہ الرحمہ نے ملیر چھاؤنی کراچی میں پانچویں ہیوی ایک ایک اور چھٹی ایک ایک رجمنٹوں سے افسروں اور جوانوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا۔ "ہم نے پاکستان کی آزادی کی جنگ جیت لی ہے لیکن آزادی کی حفاظت اور ملک کو زیادہ ٹھوس اور مستحکم بنیادوں پر تعمیر کرنے کی دشوار ترین جنگ ابھی جاری ہے۔ اب آپ کو اپنی سرزمین کا محافظ بننا ہے تاکہ یہاں اسلامی جمہوریت، اسلامی سماجی انصاف اور انسانی مساوات قائم ہو اور نشوونما پا سکے۔" قائدؒ نے اس خطاب میں مزید فرمایا "اس مشینی دور میں جہاں خوفِ خدا سے عاری انسان کی ذہانت ہر روز نت نئے تباہ کن حالات کو جنم

دیتی رہتی ہے، آپ کو زمانے کے ساتھ آگے بڑھنا ہے اور اپنی فنی معلومات اور اسلحہ کو جدید ترین معیار کے مطابق رکھنا ہے۔ اس لیے نہیں کہ ہم کسی پڑوسی کے خلاف مذموم ارادے رکھتے ہیں بلکہ ہماری اپنی سلامتی کا تقاضا یہ ہے کہ ہم بے خبری میں کسی یورش کا شکار نہ ہوں۔"

۲۰ مارچ ۱۹۴۸ء کو میتولا کے ہوائی اڈے پر ایک فوجی پریڈ سے خطاب کرتے ہوئے بابائے قوم نے فرمایا "مجھے یقین ہے کہ پاکستان کے دفاع اور سلامتی کے سلسلے میں آپ کو اپنی ذمہ داریوں کا کامل احساس ہے اور مجھے یقین ہے کہ آپ اس کے دفاع کے لیے اپنی جان کی بازی تک لگانے کے لیے تیار ہیں۔"

پاکستان کی فضائیہ کی تعمیر و تنظیم کا آغاز رسالپور میں فلائنگ ٹریننگ سکول کے قیام سے ہوا جسے قائداعظمؒ نے ۱۳ اپریل ۱۹۴۸ء کو پاکستان ائرفورس کالج کا درجہ دینے کا اعلان کیا۔ رائل پاکستان ائرفورس سٹیشن رسالپور میں آپ نے اپنے اس خطاب میں فرمایا "مجھے معلوم ہے کہ آپ کے پاس عملے کی کمی ہے لیکن یہ جان کر اطمینان ہوتا ہے کہ بھرتی کی رفتار تیز ہے اور آپ کو ہونہار لوگ مل رہے ہیں۔ میں جانتا ہوں کہ آپ کو طیاروں اور ساز و سامان کی قلت کا بھی سامنا ہے لیکن ہم تمام ضروری ساز و سامان کے حصول کی کوشش کر رہے ہیں اور جدید طیاروں کا آرڈر دے چکے ہیں، لیکن یاد رکھیے، ساز و سامان اور طیاروں کی کتنی ہی افراط ہو، وہ بے فائدہ ہے جب تک فضائیہ کے اندر مل جل کر کام کرنے کا جذبہ اور اعلیٰ درجے کا نظم و ضبط کا احساس کارفرما نہ ہو۔"

جب انہوں نے رسالپور میں بکتر بند بریگیڈ کا معائنہ کیا تو اپنے خطاب میں فرمایا "آپ نے پاکستان کے قیام کے بعد بھی نمایاں خدمات انجام دی ہیں۔ یہ بہت بڑا کارنامہ ہے اور اس کی تہہ میں بلند عزم، وفاداری، بے لوث قربانی

اور فرض شناسی کے جذبات ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ آپ لوگ ہمیشہ ان خطرناک مہموں کو قبول کریں گے جو آپ کو تفویض کی جائیں گی۔" ایک اور بکتر بند یونٹ سے خطاب کے دوران میں آپ نے تلقین کی۔ "یاد رکھیے کہ آپ نے دنیا کے متعلق اور اچھے شہری کے فرائض کے متعلق فوج کے اندر رہ کر جو کچھ سیکھا ہے، جب آپ اپنے گھروں کو جائیں گے تو اپنی بود و باش سے اس تعلیم کو دوسروں تک پہنچا سکیں گے۔ پاکستان آپ پر بھروسا کرتا ہے اور ملک کے محافظوں کی حیثیت سے آپ پر اعتماد کرتا ہے۔ اپنے آپ کو اس اعتماد کے قابل رکھیے۔"

۱۴ جون ۱۹۴۸ء کو سٹاف کالج کوئٹہ کے افسروں سے خطاب کرتے ہوئے قائد نے افواج کے ارکان سے کہا کہ وہ اپنے ملک کے آئین اور حلف نامے کا بغور مطالعہ کریں تاکہ ان پر اصل قانونی صورتِ حال واضح ہو اور وہ آئین پاکستان کی وفاداری کے حلف کا مفہوم اچھی طرح سمجھ سکیں۔"

۱۵ پنجاب رجمنٹ کی دوسری بٹالین کو پرچم عطا کرتے ہوئے قائداعظمؒ نے فرمایا "آپ کی پلٹن جیسی اچھی پلٹن کے وجود میں آنے کے لیے جو خاصیتیں چاہئیں، وہ نہایت بلند ہیں۔ مثلاً بے انتہا تنظیم، بے لوث فرض شناسی اور جسمانی طور پر مکمل بُردباری ۔۔۔ ہمیشہ اپنے نصب العین کے مطابق زندگی گزاریں۔ اُس نصب العین کے مطابق جس کے لیے آپ نے اپنے آپ کو وقف کر دیا ہے۔ یعنی خدمتِ پاکستان۔ مجھے یقین ہے کہ آپ پاکستان کے پرچم کو ہمیشہ بلند رکھیں گے اور ایک عظیم ریاست کی حیثیت سے اس کی عزت اور اس کے وقار کو ہمیشہ قائم رکھیں گے۔"

قائدِ اعظمؒ اور گاندھی جی

کانگرس کا دعویٰ تھا کہ ہندوستان متحدہ قومیت کا وطن ہے لیکن قائدِ اعظم نے دنیا پر واضح کر دیا کہ یہاں دو قومیں بستی ہیں، ہندو اور مسلم۔ ان میں کوئی بات مشترک نہیں، یہ کبھی ایک قوم نہیں تھیں، یہ کبھی ایک قوم نہیں ہو سکتیں۔ گاندھی جی پورے ہندوستان کے لیڈر بننا چاہتے تھے۔ قائدِ اعظم نے ان پر واضح کر دیا کہ وہ صرف ہندوؤں کے لیڈر ہیں۔ جن مسلمانوں نے گاندھی جی کو اپنا لیڈر سمجھا تھا، وہ غلطی پر تھے۔ اور جو مسلمان بوجوہ انہیں اپنا رہنما سمجھتے ہیں، وہ راہِ راست سے بھٹکے ہوئے ہیں۔

گاندھی جی ہندوؤں کے اور قائدِ اعظم مسلمانوں کے بڑے لیڈر تھے۔ ان دونوں لیڈروں کے کردار میں بھی وہی فرق نظر آتا ہے جو ان قوموں میں ہے۔ گاندھی جی کی شہرت ان کے مخصوص کردار کی وجہ سے ہوئی جس میں ہردے کی آواز، عدمِ تشدد اور عدمِ تعاون کے تماشے شامل ہیں۔ ایک بیرسٹر کا ننگ دھڑنگ سادھو بن جانا پوری دنیا کی توجہ اپنی طرف مبذول کر لیتا ہے۔ ایک لنگوٹی پوش لیڈر دنیا نے کبھی نہ دیکھا، نہ سنا۔ ہندوؤں کا سب سے بڑا رہنما ہندوؤں کے "سمبل" کے طور پر بکری کو، کان سے پکڑے گھسیٹتا نظر آئے تو ہر شخص آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اس کی طرف کیوں نہ دیکھے گا۔ مگر قائدِ اعظم نے ایسے تماشے کبھی نہیں کیے، انہوں نے اس قسم کے ڈھونگ کبھی نہیں رچائے۔ وہ بیرسٹر

تھے تو بیرسٹر ہی نظر آئے۔ لوگوں کی نظروں میں آنے کے لیے انہیں "پاکھنڈ" رچانے کا کبھی خیال ہی نہ آیا۔ وہ خوش پوش تھے تو زندگی بھر اس روایت کو نبھاتے رہے۔ انہوں نے ہندوؤں کو یا بزعمِ خود پورے ہندوستان کو کان سے پکڑے پھرنے کے خیال سے بھی بکری کو گھسیٹنا غلط سمجھا بلکہ پورے وقار اور متانت کے ساتھ زندگی گزاری اور اپنے کردار کی عظمت سے سب مسلمانوں کو اپنا پیرو بنا لیا۔ ان کی کامیابی اور عظمت کا راز ان کی صداقت، حق پرستی اور خود اعتمادی میں مضمر تھا۔ ان کے دین نے انہیں منافقت اور ریاکاری سے دوری کا سبق دیا تھا، انہوں نے اپنے ظاہر و باطن میں یکسانیت رکھی۔ وہ گفتار و کردار میں ایک جیسے تھے۔

گاندھی جی نے عدمِ تعاون کے تماشے کیے، مرن بھرت رکھے، ان کا مرن بھرت ایسا ہوتا تھا کہ موت کہیں دور دور نظر نہیں آتی تھی۔ قائدِ اعظم معمول کے مطابق کھانا کھاتے تھے اور حکومت کو ڈرانے کے لیے ڈرامے کرنے کے بجائے اپنی بصیرت کا ذریعہ استعمال کرتے تھے اور اس میں کامیاب رہے۔ گاندھی جی کا مطمحِ نظر یہ تھا کہ انگریز چلے جائیں اور پورے ہندوستان کی باگ ڈور ہندوؤں کے ہاتھ آ جائے۔ قائدِ اعظم چاہتے تھے کہ مسلمانانِ ہند انگریزوں کے بعد ہندوؤں کے چنگل میں نہ پھنس جائیں بلکہ اپنی معاشرت، تہذیب و تمدن، اپنے مذہب اور اپنی معیشت کی حفاظت کے لیے ایک الگ مملکت حاصل کر لیں۔ دیکھ لیجیے کہ ایک نے ڈرامے رچائے مگر اپنا مقصد حاصل نہ کر سکا۔ دوسرے نے صاف صاف بات کی، کوئی ہیر پھیر نہیں کیا، کوئی تماشا نہیں دکھایا اور اپنے نصب العین کو حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔

گاندھی جی نے کروڑ پتیوں کو کھدر پوشی کی راہ سجھائی، قائدِ اعظم نے غریبوں

کے دل موہنے کے لیے ایسا کوئی کھیل پسند نہیں کیا، انہوں نے ہمیشہ جامہ زیبی کو شعار کیے رکھا۔ گاندھی جی ہنگامہ پروری اور "سٹنٹ بازی" کے قائل تھے، قائدِ اعظم صاف صاف اور کھرے آدمی تھے۔ وہ جو کچھ کہتے، وہی نظر آنا چاہتے تھے۔

قائدِ اعظم محمد علی جناح (رحمۃ اللہ علیہ) نے اپنی تقریروں میں متعدد بار گاندھی جی کا ذکر کیا۔ جس سے واضح ہوتا ہے کہ قائدِ اعظم گاندھی جی کو سمجھتے تھے اور جو کچھ انہوں نے بیان کیا، گاندھی جی نہ اس سے کم تھے، نہ زیادہ۔ یقین نہ آئے تو ان کی چند تقریروں کے اقتباس پڑھ لیجیے:

۱۷۔ اپریل ۱۹۳۸ء کو کلکتہ میں مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس کی صدارت کرتے ہوئے انہوں نے بتایا۔ "مسٹر گاندھی اور پنڈت جواہر لال نہرو نے مجھ سے خط و کتابت کی ہے اور ہنوز یہ سلسلہ جاری ہے۔ میں نے ان خطوط کا جواب بھی انہیں ارسال کر دیا ہے لیکن اس کے باوجود کانگرس مسلم لیگ کو خاص طور سے ختم کر دینے کے لیے کسی کوشش سے باز نہیں آ رہی۔"

۲۶ دسمبر ۱۹۳۸ء کو مسلم لیگ کے اجلاس منعقدہ پٹنہ کے خطبۂ صدارت میں انہوں نے کہا۔ "واردھا کی تعلیمی سکیم پر نظر ڈالیے، کیا اسے مرتب کرتے وقت مسلمانوں سے مشورہ کیا گیا؟ یہ تمام سکیم مسلمانوں کی عدم موجودگی میں وضع کی گئی۔ اس کا بانی کون ہے؟ اس کے پیچھے کس کا دماغ کارفرما ہے؟ جناب گاندھی! مجھے یہ کہنے میں تامل نہیں کہ جس مقصد اور نصب العین کے پیشِ نظر کانگرس قائم کی گئی تھی، جناب گاندھی اس کو تباہ کر رہے ہیں۔ وہ کانگرس سے ہندوازم کی تجدید کا کام لینا چاہتے ہیں، مقصد ہندو مذہب کو تازہ کرنا اور ہندوستان میں ہندو راج قائم کرنا ہے۔"

اینگلو عربک کالج دہلی میں مولانا شوکت علی کی یاد میں ہونے والی تقریب سے

(۱۹۳۹ء میں) خطاب کرتے ہوئے قائدِ اعظم نے گاندھی جی کے فہم و فراست کا یوں ذکر کیا۔ "ساری دنیا مان چکی ہے اور حکومتِ برطانیہ بھی فہم و فراست سے کام لیتے ہوئے یہ تسلیم کر چکی ہے کہ مسلم لیگ ہی مسلم ہندوستان کا جائز واحد نمائندہ ادارہ ہے لیکن تاحال سیوگاؤں میں روشنی طلوع نہیں ہوئی اور ابھی تک مسٹر گاندھی اندھیرے میں ٹٹول رہے ہیں۔"

مسلم لیگ کا مارچ ۱۹۴۰ء کا تاریخی اجلاس لاہور میں ہوا تو اس میں قائدِ اعظمؒ نے دستوری اسمبلی کے سلسلے میں گاندھی جی کے ارشادات کا بالتفصیل تجزیہ کیا اور فرمایا۔ "میں کئی بار کہہ چکا ہوں اور پھر کہتا ہوں کہ مسٹر گاندھی دیانتداری سے تسلیم کر لیں کہ کانگرس ہندو جماعت ہے اور وہ صرف ہندوؤں ہی کے نمائندہ ہیں۔ مسٹر گاندھی یہ بات فخر سے کیوں نہیں کہتے کہ میں ہندو ہوں اور کانگرس کو ہندوؤں کی حمایت حاصل ہے۔ مجھے تو یہ کہنے میں شرم محسوس نہیں ہوتی کہ میں مسلمان ہوں۔" قائدِ اعظم نے لوگوں کو یاد دلایا کہ مسٹر گاندھی نے سکھر کے ہندوؤں کو پرائیویٹ لشکر مرتب کرنے کی تلقین کی اور کہا کہ تشدد ہو یا عدم تشدد مگر آپ لوگوں کے لیے لازمی ہے کہ اپنی حفاظت کا فریضہ خود انجام دیں، اگر دشمن ضرب لگائے تو اس کا جواب ضرب ہی سے دیں۔"

۶ مارچ ۱۹۴۰ء کو بابائے قوم نے مسلم یونیورسٹی علیگڑھ کے طلبہ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔ "لوگ مجھ سے پوچھتے ہیں کہ ہندو مسلم سمجھوتہ کیوں نہیں ہوا۔ میں کہوں گا کہ مسٹر گاندھی کی شرائط پر کوئی سمجھوتہ نہیں ہو سکتا۔ مساوی شرائط اور بالکلیہ مساوات کی بنیادوں ہی پر سمجھوتہ ممکن ہے۔" اس تقریر میں انہوں نے ہندو مسلم سمجھوتے کی آنکھ مچولی کے بعد مسٹر گاندھی کے مجلس دستور ساز کے نئے کھیل کا حوالہ دیا، اس کا تجزیہ کیا اور آخر میں فرمایا۔ "ہمیں اندیشہ ہے کہ برطانوی

حکومت مسٹر گاندھی کے لیے مسلمانوں اور دوسری اقلیتوں کو تابع فرمان کرنے اور ان کو مٹا دینے کی تجویزوں کو روبہ عمل لانے کا موقع نہ فراہم کر دے۔ میں اپنی امکانی طاقت اور زور سے برطانوی حکومت سے کہتا ہوں کہ اگر وہ کانگرس سے ایسا کوئی تصفیہ کر رہی ہے یا آئندہ کرنے والی ہے جو مسلمانوں کے لیے ضرر رساں ہو تو ہم اسے قائم نہ رہنے دیں گے۔ مسلمان ممکنہ ذرائع سے اس کی مدافعت کریں گے اور تصفیے کو ناقابلِ عمل بنا کر رکھ دیں گے۔"

گاندھی جی نے ۱۹ مئی ۱۹۴۰ء کے بیان میں تقسیم ہند کے سلسلے میں کہا کہ اگر ایسا ہوا تو "دو راستے ہوں گے۔ ایک یہ کہ غیر ملکی حکومت کے مقابلے میں ہم تقسیم قبول کر لیں، دوسرا یہ کہ آپس میں لڑتے جھگڑتے رہیں۔ یا ان دونوں شکلوں کے علاوہ یہ ہو گا کہ ہم میں خانہ جنگی ہو گی۔" قائدِ اعظم نے ۲۶ مئی ۱۹۴۰ء کو بمبئی پریزیڈنسی مسلم لیگ کانفرنس کے اجلاس منعقدہ ہبلی کے لیے اپنے پیغام میں گاندھی کے اس بیان کے حوالے سے کہا: "میں خدا سے دعا کرتا ہوں کہ مسٹر گاندھی کی پیشین گوئی غلط ثابت ہو اور ہندو اور مسلمانوں کی عقلِ سلیم لاہور والی قرارداد کے راستے کو پسند کرے۔"

۳ جنوری ۱۹۴۱ء کو بمبئی میں تقریر کرتے ہوئے بابائے قوم نے واشگاف الفاظ میں فرمایا: "مسٹر گاندھی، کانگرس اور ہندو مہا سبھا سارا ہندوستان حاصل کر لینا چاہتے ہیں لیکن انہیں یہ کبھی نہیں ملے گا۔" ۲ مارچ ۱۹۴۱ء کو پنجاب سٹوڈنٹس فیڈریشن کے اجلاس میں صدارتی تقریر کرتے ہوئے آپ نے گاندھی جی کی تقسیم ہند کے بارے میں اس دلیل کی بات کی کہ یہ ہندوستان کو چیرنے پھاڑنے کے برابر ہے۔ قائد نے پوچھا کہ ہندوستان کو ایک وحدانی حیثیت ہی کب حاصل تھی جو اب اسے چیرا پھاڑا جائے گا۔ ۱۰ مارچ ۱۹۴۱ء کو علیگڑھ یونیورسٹی

کی سٹوڈنٹس یونین سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے کہا: "چرخے چلانے سے نہ آزادی ملتی ہے، نہ برقرار رکھی جا سکتی ہے۔" نیز فرمایا "کانگرس اور مسٹر گاندھی کی مخالفت اور ریشہ دوانیوں کے باوجود آج مسلم لیگ ایک مضبوط قومی ادارہ ہے۔ گزشتہ سال گاندھی جی دلّی میں مجھے ملنے آئے تھے تو وہ مسلم ہندوستان سے ملنے آئے تھے کیونکہ میں مسلم ہندوستان کے نمائندے کے علاوہ کچھ اور نہیں ہوں۔"

آل انڈیا مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس منعقدہ مدراس (اپریل ۱۹۴۱ء) میں قائد نے گاندھی جی کا تذکرہ یوں چھیڑا: "کیا کانگرس کے سردارِ اعظم مسٹر گاندھی نے ستیہ گرہ کی مہم صرف اس لیے شروع کی ہے کہ ہمیں تقریر کی آزادی حاصل ہو؟ اصل میں ان کا مدعا برطانوی حکومت کو مجبور کرنا ہے کہ وہ طوعاً و کرہاً کانگرس کے مطالبات مان لے اور غیر مشروط طور پر ہندوستان کی آزادی کا اعلان کرے اور ہندوستان کو اس امر کا اختیار ملے کہ وہ اپنے ہاں کی اقلیتوں کی تسلّی و تشفّی کے مطابق اپنا آئین خود مرتب کریں۔"

۲ نومبر ۱۹۴۱ء کو مسلم یونیورسٹی علیگڑھ کے طلبہ سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے یاد دلایا کہ ۱۹۳۹ء میں مسٹر گاندھی اور کانگرس نے اپنی وزارتوں کو مستعفی ہو جانے کا حکم دیا۔ انہیں توقع تھی کہ وائسرائے انہیں واپس بلا لیں گے لیکن وہاں ان کے استعفے قبول کر لیے گئے۔ قائد نے فرمایا: "یہ امر قابلِ غور ہے کہ اس طریقۂ کار کا مدعا کیا تھا۔ مسٹر گاندھی کا مقصدِ خاص یہ ہے کہ "ہندو وادا پاربیتہ" کی تجدید کی جائے اور رام راج کے وارثِ حقیقی اور برطانوی راج کے جائز نمائندے کی حیثیت سے سارے برِ اعظم ہندوستان پر حکومت کی جائے اور مسلمانوں کے کندھوں پر اپنے اقتدار کا جُوا رکھ دیا جائے۔ اگر وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتے

تو یقیناً مسلمان قعرِ مذلت میں گر جاتے۔"

اسی تقریر میں انہوں نے گاندھی کے "ہندوستان چھوڑ دو" کے نعرے کا تذکرہ کیا اور کہا کہ اس اقدام میں کسی جماعت کا مشورہ شامل نہیں۔ قائد نے سول نافرمانی کے اس فیصلے کو مسٹر گاندھی کی طرف سے جواری کا آخری پانسہ قرار دیا۔ حکومت نے اس مسئلے میں کانگرس کے سامنے جھکنے سے انکار کر دیا۔ اس کا سبب قائد نے یہ بتایا کہ "حکومت کو اس کا بھی خیال تھا کہ اگر مسلمانوں کو نیچے گرا دیا گیا تو مسلم لیگ اب اتنی طاقتور ہو گئی ہے کہ وہ کانگرس سے بڑا نہیں تو اس کے برابر ایک دوزخ ضرور بنا سکتی ہے۔ وہ ہم سے خوفزدہ تھے۔"

آل انڈیا مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے خطبہ صدارت میں (۲۹ دسمبر ۱۹۴۱ء کو) قائد نے مسٹر گاندھی کی کہہ مکرنیوں کا ذکر کیا اور بتایا کہ وہ ہمیشہ یہ دعویٰ کرتے رہے کہ وہ لڑائیوں کے خلاف ہیں اور ظلم کے خلاف ستیہ گرہ کریں گے۔ مگر جب پونا کی پیشکش کی گئی یعنی اگر برطانوی حکومت نے کانگرس کے مطالبات مان لیے تو کانگرس انگلستان اور ہندوستان کی مدافعت کے لیے جنگ میں پورا حصہ لے گی۔ اس پر مسٹر گاندھی نے اعلان کیا کہ وہ کانگرس کے ساتھ نہیں رہ سکتے لیکن دوسرے ہی دن برطانوی جرائد کے نامہ نگاروں کو بیان دیتے ہوئے حکومتِ برطانیہ کو مشورہ دیا کہ وہ پونا پیشکش قبول کر لے اور اگر اس نے ایسا نہ کیا تو یہ شدید ترین غلطی ہو گی۔ قائدِ اعظم نے بتایا کہ "اہنسا" کے پجاری گاندھی کا یہی اصل روپ ہے۔

بانیٔ پاکستان محمد علی جناح علیہ الرحمہ نے گاندھی جی کی اس خصوصیت کا ذکر کیا کہ وہ اپنے بیان یا تقریر کا مطلب جس طرح چاہتے ہیں نکال لیتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا: "مسٹر گاندھی اپنی تقریر کا جو مطلب چاہتے ہیں، بیان کر دیتے ہیں وہ جو کچھ لکھتے ہیں، اس کا مطلب بھی جب چاہتے ہیں، اپنے حسبِ مراد بتا دیتے ہیں۔"

قائدِ اعظم نے مجلسِ آئین ساز میں ۱۹ نومبر ۱۹۴۰ء کو بجٹ کے موقع پر تقریر کرتے ہوئے بھی اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا تھا۔ انہوں نے مسٹر گاندھی کے ۲۹ اکتوبر والے مضمون کا ذکر کرتے ہوئے کہا تھا: "یہ درست ہے کہ ہم مسٹر گاندھی کے مضمونوں میں جس بات کی چاہیں، تائید تلاش کر لیں۔ وہ یونان کے مندر ڈیلفی کی آواز کی مثال ہے کہ ہر شخص اس کا مطلب اپنے مقصد کے مطابق سمجھ سکتا ہے۔"

راجگوپال اچاریہ نے ۱۹۴۲ء میں اپنے ایک بیان میں کہا: "اس وقت ہمارے ملک میں ہم ہندوستان کی دو طاقتور اور منظم جماعتیں ہیں، ایک ہندوؤں کی اور دوسری مسلمانوں کی۔ دونوں ہر دل عزیز ہیں۔" قائدِ اعظم نے ۱۵ فروری ۱۹۴۲ء کو بنگال پراونشل مسلم لیگ کانفرنس کی صدارت کرتے ہوئے اچاریہ جی کے اس بیان کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: "یہ پہلا موقع ہے کہ صفِ اوّل کے ایک کانگرسی لیڈر نے حوصلے سے کام لیا اور صاف طور پر تسلیم کیا کہ کانگرس ایک ہندو جماعت ہے۔ واقعی ان کا بیان صداقت پر مبنی ہے۔ میں مسٹر گاندھی سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ بھی راستی کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیں۔"

قائدِ اعظم نے ۱۵ نومبر ۱۹۴۲ء کو جالندھر میں آل انڈیا مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے اجتماع میں تقریر کرتے ہوئے گاندھی جی کے موقف بدلتے رہنے کی خصوصیت کا یوں ذکر کیا کہ پہلے گاندھی بار ہا دہرا چکے ہیں کہ ہندو مسلم سمجھوتے کے بغیر ہندوستان کو آزادی اور خود مختاری نہیں مل سکتی لیکن اب وہ یہ کہنے لگے ہیں کہ جب تک انگریز ہندوستان سے نہ چلے جائیں، ہندو مسلم سمجھوتے کا سوال ہی نہیں اٹھایا جا سکتا

"قائدِ اعظم نے یہ بھی فرمایا کہ برطانوی حکومت کل ہی گاندھی جی کی بات مان لے، مجھے بڑی مسرت ہو گی۔" انہوں نے فرمایا: "پھر ہم ان سے بخوبی سمجھ لیں گے۔"

گاندھی جی کے "پل میں تولہ ہیں، پل میں ماشہ ہیں" والی خصوصیت کا ذکر

کرتے ہوئے ۲۰ر اگست ۱۹۴۵ء کو قائدِ اعظمؒ نے فرمایا: "جب ان کے مفید مطلب ہوتا ہے تو وہ کسی کی نمائندگی نہیں کرتے محض انفرادی حیثیت سے گفتگو کرتے ہیں، وہ چار آنے کے رکن بھی باقی نہیں رہتے اور بیاسی تنقیح طلب امور پر فاقے شروع کر دیتے ہیں۔ اور جب ضرورت ہوتی ہے تو اپنے آپ کو گھٹا کر درجۂ صفر تک پہنچا دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ اپنی اندرونی آواز پر عمل پیرا ہیں —— اور کبھی وہ اس کے خلاف کانگرس کے اعلیٰ ترین اور مطلق العنان آمر بن جاتے ہیں اور سارے ہندوستان کی نمائندگی کا ادعا کرتے ہیں۔ ایسے شخص سے ہم کس طرح سمجھوتہ کر سکتے ہیں۔ وہ ایک چیستاں ہیں، ایک معمہ ہیں"۔

۱۲ر اگست ۱۹۴۵ء کو قائدِ اعظم رحمہ اللہ نے بمبئی میں مسلمانوں کو گاندھی جی اور ان کے ارشادات سے آگاہ رہنے کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا: "ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کانگرس ہمارے لیے سخت ترین مشکلات پیدا کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کرے گی۔ مسٹر گاندھی نے پھر اپنے لائحۂ عمل کی تلقین شروع کر دی ہے جو دراصل مسلمانوں کے لیے تخریبی لائحۂ عمل ہے۔ میں مسلمانوں کو متنبہ کرتا ہوں کہ کانگرس ان میں انتشار و افتراق پیدا کرنے اور انہیں گمراہ کرنے کی پوری کوشش کرے گی"۔

۲۷ر جون ۱۹۴۶ء کو قیصر باغ بمبئی میں مسلم لیگ کونسل کے اجلاس میں تقریر کرتے ہوئے قائدِ اعظم علیہ الرحمہ نے فرمایا: "ہندوستان کے مسئلے کا واحد حل پاکستان ہے۔ جب تک کانگرس اور مسٹر گاندھی "اکھنڈ بھارت" کی ترجمانی و نمائندگی کا خواب دیکھتے رہیں گے، جب تک کانگرس مسلمانوں میں پھوٹ ڈلوانے کے لیے اپنے روپے سے چند بے غیرتوں اور بے شرموں کے ایمان خریدتی رہے گی، جب تک کانگرس اس حقیقت سے انکار کرتی رہے گی کہ مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت مسلم لیگ ہے، اس وقت تک آزادی کے سوال پر کسی تصفیہ اور مفاہمت کا

امکان نہیں"۔ اسی تقریر میں قائد نے فرمایا: "مسٹر گاندھی کو اب ساری دنیا کا مشیر بننے کا شوق چرایا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ کانگرس تمام ہندوستان کی نمائندہ اور اس کے چالیس کروڑ باشندوں کی امین ہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ مسٹر گاندھی کچھ عرصے سے اچھوتوں کے خود ساختہ امین بنے ہوئے ہیں۔ میں مسٹر گاندھی سے پوچھتا ہوں کہ کیا وہ ایمانداری کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ انہیں اچھوتوں کا اعتماد حاصل ہے"؟

یوں بانیٔ پاکستان قائدِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تقریروں میں ہندوؤں کے لیڈر مسٹر گاندھی کا کچا چٹھا عامۃ المسلمین کے سامنے کھول دیا اور ہمارے خلافتی لیڈروں نے جن گاندھی جی کو مسلمانوں کا "مہاتما" اور "باپو" قرار دیا تھا ان کی حیثیت عرفی "قائدِ اعظمؒ" نے لوگوں پر ظاہر کر دی۔ حالات کا بے لاگ تجزیہ کر کے دیکھ لیجیے گاندھی جی کے متعلق قائدِ اعظم کے ارشادات، گاندھی جی کی ذہنیت کی صحیح صحیح عکاسی کرتے ہیں یا نہیں؟

قائدِ اعظمؒ اور برطانوی حکومت

قائدِ اعظم محمد علی جناح رحمۃ اللہ علیہ نے کانگرس کے رہنما کی حیثیت سے ہندوستانیوں کے اور مسلم لیگ کے رہنما کے طور پر مسلمانوں کے مفادات کے لیے ہر پلیٹ فارم پر آواز بلند کی۔ انہوں نے اسمبلی میں بھی احقاقِ حق اور ابطالِ باطل کو زبان بخشی اور مختلف تنظیمی اور عوامی جلسوں میں بھی حکومتِ برطانیہ کو مسلمانوں کے مطالبات عام طور پر للکار کی صورت میں پیش کیے اور قومی نمائندگی کا حق ادا کیا۔ قائدِ اعظم کی ساری سیاسی زندگی ایک مردِ مومن کی زندگی ہے۔ انہوں نے نہ انگریز کے اقتدار سے خوف محسوس کیا، نہ ہندو کی عیاری اور مکاری سے۔ انہوں نے اپنی زندگی کے شب و روز حق گوئی اور بے باکی کے سائے میں گزارے۔

آئیے ہم دیکھیں کہ قراردادِ پاکستان کی منظوری کے بعد پاکستان کے حصول کی جدوجہد میں اور تحریکِ پاکستان کے دنوں میں قائدِ اعظم نے حکومتِ برطانیہ کو کس کس انداز میں خطاب کیا اور مختلف موقعوں پر حکومت کا ذکر کن الفاظ میں فرمایا۔

۲۶ مئی ۱۹۴۰ء کو راجا صاحب محمود آباد کی صدارت میں بمبئی پریذیڈنسی مسلم لیگ کانفرنس ہوئی، قائدِ اعظم نے اس کانفرنس کے لیے اپنے پیغام میں فرمایا:
"مجھ سے سوال کیا جاتا ہے کہ انگریز لاہور ریزولیوشن کے بنیادی اصول سے اتفاق

کر سکتے ہیں کہ ہندوستان کے شمال و مغرب کے علاقوں میں آزاد مسلم حکومتیں قائم کر دی جائیں؟ وہ اتفاق کریں یا نہ کریں، ہم اس کے لیے آخری قطرۂ خون تک لڑیں گے، آخری خندق تک لڑیں گے۔ مجھے علم ہے کہ انگلستان کے سیاستدان، انگلستان کے اخبارات اور پبلک سب اسی خیال کو سینے سے لگائے ہوئے ہیں کہ ہندوستان ایک ہے اور وہاں کی قوموں میں اتحاد ہو جائے گا۔ مگر مجھے یقین ہے کہ وہ اپنے آپ کو دھوکا دے رہے ہیں۔"

۱۹۔ نومبر ۱۹۴۰ء کو مجلسِ آئین ساز میں بجٹ کی منظوری کے اہم موقع پر قائدِ اعظم نے جنگی اخراجات کے لیے چھ کروڑ روپے کی منظوری کے مسئلے پر حکومت پر سخت تنقید کی۔ "ہمارے پاس یہ جاننے کا کوئی ذریعہ نہیں کہ حکومت یہ روپیہ کس طرح خرچ کرے گی اور اخراجات کے لیے کون سے وعدے کیے جا چکے ہیں۔ اس میں ہماری رائے یا حصے یا اختیار وغیرہ کو کوئی دخل نہیں۔ ہم نہیں پوچھ سکتے کہ حکومت کیا خرچ کر چکی ہے یا کیا کرے گی۔ ہمیں محکمہ فوج اور ساز و سامان مہیا کرنے والے محکمے اور دوسرے محکموں کے متعلق متعدد شکایات ہیں کہ ان میں کیا ہو رہا ہے۔ ممکن ہے یہ بے بنیاد ہوں، ممکن ہے سچی ہوں۔ بہر حال شبہ اور بے اعتباری موجود ہے اور لوگ تعجب کر رہے ہیں کہ حکومت پسِ پردہ کیا کر رہی ہے۔"

اگست ۱۹۴۰ء میں وزیرِ ہند کے اعلان سے واضح ہو گیا کہ حکومتِ برطانیہ اس ملک کی بڑی جماعتوں میں اتفاق ہونے تک کسی دستور کو نافذ نہیں کرے گی لیکن قائدِ اعظم سے گفت و شنید کے دوران میں وائسرائے ہند نے کہا کہ اس کی کابینہ میں کتنے آدمی ہوں گے، کون سے محکمے کن کے سپرد کیے جائیں گے، کون سی دوسری جماعتیں شامل ہوں گی ـــــ یہ سب کچھ وہ نہیں بتا سکتا، البتہ یہ ضرور کہتا ہے کہ مسلم لیگ کو دو نشستیں دے گا۔ اس کا ذکر کرتے ہوئے ۲ نومبر ۱۹۴۰ء کو

مسلم یونیورسٹی یونین علی گڑھ کے اجتماع میں قائدِ اعظمؒ نے فرمایا: "ایسی صورت میں کوئی خود دار جماعت حکومت کی تجویز قبول نہیں کر سکتی۔ کیا ہم صرف تختۂ مشق بننے کے لیے ہیں؟ کیا ہمارا کام محض خانہ پُری ہے؟" اسی تقریر میں آگے چل کر انہوں نے کہا "حکومت نے ہماری مخالفت کے باوجود اس تجویز کو ہم پر نافذ کر دیا۔ انہوں نے جوڑ توڑ کرنے کی کوشش کی اور ہمارے بعض ارکان کو اس تجویز میں شامل کر کے ہم سے منقطع کر دینے کی تدبیریں نکالیں۔ ان میں صوبجاتی وزیرِ اعظم بھی شامل تھے جن میں سے دو مسلم لیگ کی مجلسِ عاملہ کے رکن تھے۔" وائسرائے نے دھوکا دے کر سر سکندر حیات وزیرِ اعظم پنجاب، سر سعد اللہ وزیرِ اعظم آسام اور فضل الحق وزیرِ اعظم بنگال کو نیشنل ڈیفنس کونسل میں شریک کر لیا تھا۔ جب یہ مسئلہ ورکنگ کمیٹی میں پیش ہوا تو سر سکندر حیات اور سر سعد اللہ نے فوراً وائسرائے کو اپنے استعفے بھیج دیے۔ فضل الحق اڑے رہے، نتیجۃً مسلم لیگ سے نکال دیے گئے۔ قائدِ اعظم نے اسی حوالے سے اپنی تقریر میں کہا۔ "آپ سب جانتے ہیں کہ اس کا کیا انجام ہوا۔ مجھے اس سے مسرت ہوئی اور ہمیں فخر ہے کہ حکومت برطانیہ کو ایک اچھا سبق مل گیا۔ کبھی شر سے بھی خیر پیدا ہو جاتا ہے۔" اسی تقریر میں قائدِ اعظم یوں گرجے: "اگر حکومت برطانیہ نے صرف ہندوؤں کے مشورے سے کوئی دستور مرتب کر کے ہمارے سر تھوپ دیا تو وہ بہت ہی احمق ہو گی۔"

دہلی میں مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے پہلے اجتماع میں (نومبر ۱۹۴۰ء) قائدِ اعظم نے اپنی تقریر میں حکومت برطانیہ کو اس کی سنگینوں سمیت پرِ کاہ کے برابر وقعت نہ دینے کا اعلان یوں فرمایا: "حقیقت یہ ہے کہ کانگرس برطانوی سنگینوں کے سائے میں ہندوستان پر اقتدار حاصل کرنا چاہتی ہے۔ وہ دوسرے فرقوں پر جبر و استبداد کرنے کی قوت و توانائی کی آرزو مند ہے۔ ۔ ۔ ۔ ہمیں اندازہ ہے کہ حکومت برطانیہ

مسلمانوں کو کانگریسیوں یا ہندوؤں کے رحم و کرم پر چھوڑنے کی جسارت نہیں کر رہی ہے۔ اور اگر کبھی وہ ایسی جرأت کرے گی تو اسے پشیمانی اٹھانا ہو گی۔"

اپریل ۱۹۴۱ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس منعقدہ مدراس کا خطبۂ صدارت علالت کے باوجود قائدِ اعظم نے دیا اور بتایا کہ "جنگ کے بعد دوسری کئی بُری خبروں کے ساتھ وائسرائے نے یہ خوشخبری سنائی کہ ملکِ معظم کی حکومت نے کل ہند مرکزی اجتماعی حکومت کا قیام معطل کر دیا ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ ہمارے برطانوی دوستوں کو علمِ سیاست اور پھر شطرنجِ تدبر میں کتنی مہارت اور لیاقت حاصل ہے۔ اس لیے ہم نے پہلا اور سب سے بڑا مطالبہ یہ کیا کہ مرکزی اجتماعی حکومت نہ صرف معطل کی جائے بلکہ اس کا ارادہ ہی ترک کر دیا جائے۔"

جون ۱۹۴۱ء میں اوٹاکمنڈ (مدراس) کے مسلمانوں سے خطاب کرتے ہوئے بابائے قوم نے فرمایا: "میری رائے میں ہندوستان کبھی ایک قوم نہیں رہا، اور نہ اس میں کبھی کوئی قومی حکومت قائم ہوئی ہے۔ خواہ ہندوؤں کی حکومت رہی ہو یا مسلمانوں کی، یہاں ہمیشہ ایک شخصی اور مطلق العنان حکومت رہی ہے۔ اور آج بھی برطانوی سنگینیں ہی ہندوستان کو جکڑ کر ایک بنائے ہوئے ہیں۔ جونہی یہ سنگینیں یہاں سے ہٹائی جائیں گی، ہندوستان ایک جغرافیائی وحدت نہیں رہے گا۔"

۲ نومبر ۱۹۴۱ء کو قائد نے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں طلبہ سے خطاب کیا۔ ان دنوں چین پر چیانگ کائی شیک کا قبضہ تھا۔ وہ جواہر لال نہرو کے ذاتی دوست تھے اور ان کا امریکہ پر بہت اثر تھا۔ قائدِ اعظم نے فرمایا "اگر برطانوی حکومت حتمی عہد و اقرار کے باوجود ہمیں دھکیل کر کانگرس کے رحم و کرم پر ڈال دے تو مجھ پر یقین کیجیے کہ ۔ ۔ ۔ ۔ ہم اس قابل ہو گئے ہیں کہ ایسی حکومت کو ناممکن بنا دیں۔ چین اور امریکہ کی

متحدہ طاقت بھی ایسا دستور ہم پر نافذ نہیں کر سکتی جس میں مسلمانوں کو قربان کیا گیا ہو۔ جن غیر ملکی سنگینوں کے سائے میں کانگرسی راج رچایا جا رہا ہوگا، ہم اس کی پروا نہ کرتے ہوئے ملک کے سارے نظام میں زلزلہ برپا کر دیں گے اور اس کو مفلوج و معطل بنا کر رکھ دیں گے۔"

اسی تقریر میں قائدِ اعظم نے گاندھی جی کی سول نافرمانی کی تحریک کو خانہ جنگی کی راہ قرار دیتے ہوئے فرمایا "اگر ہمیں انگریزوں کی دیانت پر پورا بھروسا ہوتا تو قدرتی طور پر ہمارے لیے یہی ایک راستہ رہ جاتا کہ ہم ان کے ساتھ مل کر اس تحریک کچل دیں کیونکہ اس تحریک کے مقاصد میں ہماری پامالی بھی شامل تھی، لیکن مجھے یہ کہتے ہوئے افسوس ہوتا ہے کہ ہم انگریزوں پر بھی اعتماد نہیں کر سکتے، وہ اپنے داؤ پر ہیں۔ اس لیے ہم نے مسلمانوں سے کہا کہ وہ اس معاملے سے بالکل علیحدہ رہیں، ان کو آپس میں لڑنے دیں۔"

فضل الحق اور ان کی معیت میں نواب ڈھاکہ مسلم لیگ سے کٹ کر حکومت کی گود میں جا بیٹھے تو آل انڈیا مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے اجلاس منعقدہ ۲۹ر دسمبر ۱۹۴۱ء میں تقریر کرتے ہوئے ان کا ذکر قائد نے یوں کیا: "میں فضل الحق صاحب کو کرسمس کے تحفے کے طور پر لارڈ لنلتھگو کی خدمت میں پیش کرتا ہوں اور گورنر بنگال کی خدمت میں نواب ڈھاکہ کو ہدیۃً پیش کرتا ہوں۔ میں خوش ہوں کہ مسلم ہندوستان کو ان لوگوں سے نجات ملی جو مسلمانوں کے ساتھ بدترین غداری اور دغابازی کے مجرم ہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ کسی انجمن میں غداروں کے لیے کوئی جگہ نہیں۔ خواہ وہ کتنے ہی بڑے آدمی ہوں، ان کو نکال دینا چاہیے۔" ۱۵ر فروری ۱۹۴۲ء کو بنگال پراونشل مسلم لیگ کانفرنس کی صدارت کرتے ہوئے قائدِ اعظم نے پھر اسی دبنگ انداز میں ان غداروں کا ذکر کیا اور وائسرائے کی اس حرکت کے خلاف

آواز اٹھائی۔

۲۳ر مارچ ۱۹۴۲ء کو دہلی میں تقریر کرتے ہوئے بابائے قوم نے واضح کیا کہ ہم حقیقتِ حال سے باخبر ہیں لیکن ہم بیگاروں کی طرح حکومت کی کوئی مدد بھی کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ ہم نے ایسی حیثیت نہ کبھی قبول کی ہے اور نہ کریں گے۔ اگر ہندو قیادت یا برطانوی قیادت الگ الگ یا دونوں مل کر ہمارے خلاف فریب کاریوں اور سازشوں پر اتر آئیں تو ہم اس کی مدافعت کریں گے تا آنکہ ہم سب کے سب مر جائیں۔"

اسی تقریر میں آپ نے فرمایا "یہ کتنا سراسر تہمت اور بہتان طرازی ہے کہ ہم برطانوی شہنشاہیت کے مؤید اور معاون ہیں۔ جو لوگ ایسا کہتے ہیں، وہ جانتے ہیں کہ یہ جھوٹ ہے۔ مجھے اپنی ساری زندگی میں کبھی اس کا تصور بھی نہیں ہوا کہ کسی اجنبی اقتدار میں رہنا چاہیے۔" (مسلمانوں کے لیے اسلام کی ہدایت یہی ہے)

برطانوی کابینۂ جنگ نے سر سٹیفرڈ کرپس کو اپنا نمائندہ بنا کر بھیجا کہ ہندوستان کی سیاسی جماعتوں کے سامنے کابینہ کی تجاویز رکھیں۔ اگر یہ منظور ہو جائیں تو جنگ کے دوران میں ایک ذمہ دار قومی حکومت بنا دی جائے۔ وائسرائے سربراہِ مملکت ہوگا، امورِ دفاع قومی حکومت کے کنٹرول میں نہ ہوں گے اور انہی خطوط پر جنگ کے بعد ہندوستان کو آزاد کر دیا جائے گا۔ قائدِ اعظم نے ۱۳ر اپریل ۱۹۴۲ء کو ایک پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے صاف صاف الفاظ میں ان تجاویز کو مسترد کر دیا اور اس کی وجہ یہ بتائی کہ "ان تجاویز میں پاکستان کو غیر مبہم اور واضح طور پر قبول نہیں کیا گیا اور نہ مسلمانوں کے حقِ خود ارادیت کو تسلیم کیا گیا ہے۔"

۹ر نومبر ۱۹۴۲ء کو لیگ کونسل کے اجلاس میں انہوں نے انگریزوں کی ہندوستان پر حکومت کے ذکر میں فرمایا "اس ذیلی برِ اعظم پر یہ حکومت جو ۱۵۰ یا ۱۶۰ سال سے قائم

ہے، ایسی حکومت نہیں جو عوام کی منظوری سے قائم ہوئی ہو۔ یہ محض مغل طرزِ حکومت پر جمہوری طرزِ حکومت کا نظری اطلاق ہے۔ اس کی منظوری عوام نے نہیں بلکہ برطانوی سنگینوں نے دی ہے۔ ہم آزادی چاہتے ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ اپنے ملک کے خود مالک بنیں۔ اب ہم برطانوی حکومت کو خدا حافظ کہنا چاہتے ہیں۔"

قائدِ اعظم علیہ الرحمہ نے امریکی چینی اور برطانوی صحافیوں کو بیان دیتے ہوئے مسلمانوں کی طاقت کو حکومتِ برطانیہ پر کھل کر واضح کیا۔ "فرض کیجیے، اس برطانوی حکمتِ عملی سے تنگ آکر، مارے غم و غصہ کے، کل میں یہ کہہ دوں کہ حکومت سے عدمِ تعاون کرو، تو یقین کیجیے کہ حکومت آج کل کانگرس کے ہاتھوں جس قدر مصیبت میں مبتلا ہے، اس سے کم از کم پچاس گنا زیادہ مصیبت اس کو بھگتنا پڑے۔ یہ بندوق اور تلوار کی بات نہیں ہے، مسلمان پچاس گنا زیادہ دلیر ہیں۔ میں ہندوؤں پر چوٹ نہیں کرتا، مسلمانوں کا مزاج تربیت ہی ایسا ہے۔"

گاندھی نے "ہندوستان چھوڑ دو" کا نعرہ لگایا تو قائدِ اعظم نے اس نعرے کے مالہٗ و ماعلیہ کے حوالے سے ۲۴ جنوری ۱۹۴۳ء کو بمبئی میں کہا۔ "وہ "ہندوستان چھوڑ دو" کی حکمتِ عملی پر یقین نہیں رکھتے، وہ صرف مصالحت چاہتے ہیں۔ گو اُن کی مبینہ حکمتِ عملی یہ نہیں ہے لیکن وہ چاہتے یہی ہیں کہ انگریز اس ملک میں رہیں۔ وہ ہندوستان کی فوری آزادی یا "ہندوستان چھوڑ دو" کی حمایت نہیں کرتے بلکہ وہ ایک ایسا طرزِ حکومت چاہتے ہیں جس میں ہندو برطانیہ کے سہارے مسلمانوں پر مسلّط ہوں اور آہستہ آہستہ ان کا گلا گھونٹ دیں۔"

۱۴ جولائی ۱۹۴۵ء کو بابائے قوم قائدِ اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ نے ویول تجاویز کی ناکامی کے سلسلے میں ایک پریس کانفرنس میں جو بیان دیا اس کے آغاز میں کہا۔ "تجاویزِ ویول کا تجزیہ کرنے کے بعد ہمیں معلوم ہوا کہ یہ دامِ تزویر ہے۔" بیان کے آخر میں

انہوں نے فرمایا۔ "گفت و شنید اس مرحلے پر ناکام ہو گئی کہ پنجاب کی جانب سے لارڈ ویول ملک خضر حیات کے نامزد ایک غیر لیگی مسلمان کو لینا چاہتے تھے۔ جیسا کہ میں نے اس سے پہلے بھی کہا ہے، صرف اندھے ہی اس حقیقت کو نہیں دیکھ سکتے کہ آل انڈیا مسلم لیگ، مسلمانانِ ہند کی واحد نمائندہ تنظیم ہے، اگر ہم لارڈ ویول کے مجوزہ موقف کو قبول کر لیتے تو گویا ہم اس کانفرنس سے سب کچھ کھو کر لوٹتے۔"

۲۱ نومبر ۱۹۴۵ء کو قائدِ اعظمؒ نے پشاور میں کھلے الفاظ میں جنگ کی بات کی "ہمارا کوئی دوست نہیں ہے۔ نہ ہمیں انگریز پر بھروسا ہے، نہ ہندو پر۔ ہم دونوں کے خلاف جنگ کریں گے، خواہ وہ آپس میں متحد کیوں نہ ہو جائیں۔"

مسٹر ایٹلی نے وزیرِ اعظم بنتے ہی اعلان کر دیا کہ ہندوستان میں اقلیت کو اکثریت کی راہ میں روڑا نہیں بننے دیا جائے گا۔ مرکزی و صوبائی مجالسِ آئین ساز میں مسلمانانِ ہند متفقہ طور پر پاکستان کے حق میں رائے دے چکے تھے۔ قائدِ اعظم نے منتخب ارکان کا ایک کنونشن طلب کیا اور اس میں فرمایا۔ "میں پورے اعتماد کے ساتھ آپ سب کی جانب سے یہ اعلان کرتا ہوں کہ ہم اپنی ہر متاعِ عزیز کو حتیٰ کہ سب کچھ قربان کر دینے کے لیے تیار ہیں لیکن نظامِ حکومت کے متعلق کسی ایسی تجویز کو جو ہماری رضامندی کے بغیر مرتب کی گئی ہو، قبول کرنے پر تیار نہیں ہیں۔ اگر برطانیہ اس حد تک تجاوز کرے تو وہ ان حلفیہ بیانوں اور حتمی وعدوں کی بدترین اور صاف صاف عہد شکنی کا ارتکاب کرے گا جو اس نے ہمارے ساتھ اگست ۱۹۴۲ء کے اعلان کے ذریعے اُس وقت کئے تھے جب وہ جنگ کے مصائب میں گھرا ہوا تھا۔ حکومت کے اس طرزِ عمل سے معاملات انتہا کو پہنچ جائیں گے اور ہمارے لیے ناقابلِ برداشت ہو جائیں گے۔ اگر انہوں نے ہمارے ساتھ غداری کی تو ہم عزمِ صمیم اور دلیری کے ساتھ مقابلہ کریں گے اور تمام ممکن طریقوں

سے اس کی مزاحمت کریں گے۔"

کابینہ وفد کی تجاویز کے بارے میں ۲۲ مئی ۱۹۴۶ء کو قائدِ اعظم نے شملہ سے جو بیان جاری کیا، اس کے آخر میں کہا "برطانوی وزارتی وفد اور ہز ایکسیلنسی وائسرائے کے بیان کا گہرا اور غیر جانبدارانہ مطالعہ کرنے اور پورے غور سے اس کے سیاق و سباق کا تجزیہ کرنے کے بعد ہم جو کچھ مناسب خیال کریں گے، وہ فیصلہ کریں گے۔" اس خطبے کے بعد قائد نے تمام ارکان سے ایک حلف نامے پر دستخط لیے اور اس موقع پر ایک ولولہ انگیز تقریر میں کہا "میں آخر میں ایک مرتبہ پھر نظریۂ پاکستان پر اپنے عقیدے کا اعادہ کرتا ہوں۔ کیا برطانیہ ہندوستان کے دس کروڑ مسلمانوں کی قسمت کا فیصلہ کر سکتا ہے؟ نہیں۔ مسلمانوں کے مقدمے کا فیصلہ کوئی دوسرا نہیں کر سکتا۔"

قائدِ اعظم کی بصیرت پر واضح تھا کہ انگریز اور ہندو، دونوں مسلمانوں کے تشخص کی بنیاد پر بننے والے ملک کو اپنے لیے خطرہ سمجھتے تھے اس لیے وہ عام طور پر ان دونوں طاقتوں کو خطاب کر کے پاکستان لینے کا حتمی اعلان کرتے رہے۔ ۵ر جون ۱۹۴۶ء کو مسلم لیگ کونسل کے اجلاس (نئی دہلی) میں انہوں نے واشگاف الفاظ میں فرمایا "پاکستان منظور کرنے میں تاخیر سے کام لینا برطانیہ یا ہندو کے لیے کسی طرح بہتر ثابت نہیں ہوگا۔۔۔۔ یا تو تم متفق ہو جاؤ، ورنہ ہم تمہارے بغیر اس کو حاصل کر کے رہیں گے۔ اس کے لیے کیا طریقے اور ذرائع اختیار کیے جائیں گے، یہ وقت اور حالات پر منحصر ہوگا۔" تقریر کے آخر میں انہوں نے کہا "میں برطانیہ سے کہتا ہوں کہ تم خود یہ اعلان کر رہے ہو کہ شہنشاہیت مردہ ہو چکی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس کی تجہیز و تکفین کے لیے ہی وزارتی مشن دہلی آیا تھا۔ کیا تم اس تجہیز و تکفین کو لندن میں انجام نہیں دو گے اور ولندیزیوں سے انڈونیشیا خالی کرنے کو نہ کہو گے؟ جنگِ عظیم ثانی

ختم ہونے کے بعد جاپانی فوجوں نے انڈونیشیا خالی کر دیا تو ولندیزی اس پر قابض ہو گئے اور اس قبضے میں حکومتِ برطانیہ نے ان کی ہر طرح مدد کی تھی، جو وعدے لیبیا اور سرینیکا سے کیے گئے تھے کہ انہیں اٹلی کو واپس نہ کیا جائے گا، ان وعدوں کو پورا کیا جائے۔۔۔۔ اگر تم ایسا ہی کرتے رہے جیسا کہ اس وقت فلسطین، لیبیا، شام اور انڈونیشیا میں کر رہے ہو تو تمہیں سمجھ لینا چاہیے کہ تم کمزوروں اور مسلمانوں کے جذبات مجروح کر رہے ہو اور ان جذبات کا فروغ خطرناک ہوگا۔"

کابینہ وفد چلا گیا تو ۲۷ر جون ۱۹۴۶ء کو قائدِ اعظم نے قیصر باغ بمبئی میں مسلم لیگ کونسل کے اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا "وزارتی مشن کانگرس کے ہاتھ میں کٹھ پتلی بنا رہا ہے، وہ اپنا ہی کھیل کھیلتا رہا۔" انہوں نے کھل کر الزام لگایا "میں وزارتی مشن پر صاف الفاظ میں الزام لگاتا ہوں کہ اس نے کانگرس کے ساتھ سازش کی اور وائسرائے کو چیلنج کرتا ہوں کہ اگر ان میں ہمت ہے تو اس واقعے کی تردید کریں کہ۔۔۔ ۲۵ جون کو علی الصبح سر سٹیفورڈ کرپس بھنگی کالونی پہنچے، مسٹر گاندھی کو نیند سے جگایا اور انہیں بہت دیر تک سمجھاتے بجھاتے رہے کہ کانگرس مشن کی تجاویز کو مسترد نہ کرے۔ پھر وزیرِ ہند لارڈ پیتھک لارنس سردار پٹیل کی تلاش میں نکلے اور انہیں گھیر گھار کر اپنی قیام گاہ پر لائے اور وہاں دونوں کے درمیان یہ سازش ہوئی کہ کانگرس اپنا سابقہ فیصلہ واپس لے کر وزارتی مشن کی طویل مدت والی تجاویز کی منظوری کا اعلان کر دے اور وزارتی مشن اس کے عوض میں عارضی حکومت کی سکیم ختم کر دے گا۔۔۔۔" قائدِ اعظم نے پھر وائسرائے کو چیلنج کرتے ہوئے اپنا الزام دہرایا "میں اپنی ذمہ داریوں کو خوب اچھی طرح محسوس کرتے ہوئے پھر ایک بار کہتا ہوں کہ میں نے جس سازش کا انکشاف کیا ہے، وہ واقعہ ہے اور حقیقت ہے۔ میں وائسرائے کو چیلنج کرتا ہوں کہ وہ اس واقعے کی تردید کریں اور اس کی تردید ان پر فرض ہے کیونکہ یہ ایسا الزام

نہیں ہے جسے نظرانداز کر دیا جائے بلکہ اس سے وزارتی مشن کے ارکان اور وائسرائے کی عزت پر حرف آتا ہے۔"

اس تقریر کے آخر میں انہوں نے کہا "برطانوی حکومت شدید وعدہ خلافی کی مرتکب ہوئی اور اس نے کانگرس کو خوش کرنے کے لیے عارضی حکومت کی تشکیل ملتوی کر دی ۔۔۔ جب ملکِ معظم کی حکومت کے ارکان صرف دس دن کے اندر زبان بدل کر اپنی ذات، اپنی حکومت اور اپنی قوم کو رسوا کر سکتے ہیں، تو ان لوگوں پر ہم کیسے بھروسا کر سکتے ہیں؟"

لیگ نے "راست اقدام" یعنی سول نافرمانی کا فیصلہ کر لیا تو قائداعظم نے ۳۱ جولائی ۱۹۴۶ء کو ایک پریس کانفرنس میں یوں اس کی وضاحت فرمائی۔

"ایسی صورت میں کہ برطانوی حکومت اور کانگرس دونوں اپنے اپنے طریقے پر مسلح ہیں۔ ایک کے پاس آتشیں اسلحہ ہے اور دوسرے کے پاس عوامی تحریک کی دھمکیاں ـــــ مسلم لیگ نے محسوس کیا کہ وقت کی اہم ضرورت یہ ہے کہ وہ اس سلسلے میں اپنے طور پر اپنی قوت کو مجتمع کرے ۔۔۔۔۔ برطانیہ کے پاس مشین گنیں ہیں اور وہ اپنی قوت کو تعمیر کرنے میں آزاد ہے۔ کوئی عدالت نہیں جہاں ہم اس کے خلاف اپیل کریں۔ وہ اپنے قول و فعل میں آزاد و خود مختار ہے۔ دوسری پارٹی کانگرس ہے۔ وہ پوری طرح دوسری قسم کے ہتھیار کو استعمال کرے گی۔ دشمن کو معمولی اور حقیر نہیں سمجھنا چاہیے۔ اس لیے اب ہم نے اپنے لیے طے کیا ہے کہ راست اقدام کی تیاری اور اس پر عمل ہماری پالیسی اور پروگرام کا جزو ہو گا۔"

کانگرس اور وزیرِ اعظم اٹیلی کی سازش نے یہ روپ دھارا کہ پنڈت جواہر لال نہرو کو وزارت بنانے کی دعوت دے دی گئی۔ اس موقع پر ۲۹ اگست ۱۹۴۶ء کو قائدِ اعظمؒ نے ایک بیان جاری کیا جس میں کہا "وائسرائے نے جو قدم اٹھایا ہے،

وہ انتہائی غیر دانشمندانہ اور غیر مدبرانہ ہے اور وہ خطرناک اور نازک ترین نتائج کا حامل ہے ۔۔۔۔ مسئلے کا واحد حل یہ ہے کہ ہندوستان کو پاکستان اور ہندوستان میں تقسیم کر دیا جائے۔"

۲۹ اگست ۱۹۴۶ء کو اپنے پیغامِ عید میں قائد نے اپنی قوم سے کہا: "آج ہمارے سیاسی اُفق پر تاریکی چھائی ہوئی ہے۔ سلطنتِ برطانیہ اور وائسرائے لاج کی کارروائیاں صیغۂ راز میں ہیں۔ ہمیں بدنام کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ہمارے حق نمائندگی کو مسخ کیا گیا ہے۔ ہمیں ہر طرف سے دھمکیاں دی جا رہی ہیں۔ وائسرائے نے متشددانہ طرزِ عمل اختیار کیا ہے ۔۔۔ حکومتِ برطانیہ کے اربابِ حل و عقد اور جناب وائسرائے نے کانگرس کے سامنے ہتھیار ڈال دیے ہیں اور اب ان کے لیے کھلے الفاظ میں صرف اعلان کرنا باقی رہ گیا ہے کہ ہم سب ذمہ داریوں سے دستکش ہو چکے ہیں اور اس ملک کی حکومت اونچی ذات کے ہندوؤں کے حوالے کرنے والے ہیں۔ ۔۔۔ ہمیں ایک منظم اور متحد قوم کی طرح ان نامساعد حالات کا مقابلہ کرنا ہے اور کامیابی حاصل کرنا ہے۔ میں کامل یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ اگر دس کروڑ مسلمان متحد و منظم ہو جائیں تو ہمارے مخالفین کی تمام سازشیں اور تدبیریں بُری طرح ناکام ہوں گی اور ہم اس جدوجہد میں فتح یاب ہوں گے۔ ہم پاکستان حاصل کر کے رہیں گے کیونکہ یہ ہماری مشکلات کا واحد حل ہے اور اس کے بغیر ہم نیست و نابود ہو جائیں گے۔"

دوسرے دن (۳۰ اگست ۱۹۴۶ء کو) پھر قائد نے فرمایا "وائسرائے کی تقریر جو انہوں نے عبوری حکومت کے سلسلے میں ۲۴ اگست کو دہلی سے نشر کی تھی۔ بعض لوگوں نے جب اسے ریڈیو پر سُنا تو بہت متاثر ہو گئے تھے لیکن جب وہی چیز اخبارات میں شائع ہوئی اور اس پر غور و خوض کیا گیا تو اس کی اصلیت کھل گئی۔

بلاشبہ تقریر کے الفاظ بہت چالاکی سے مرتب کیے گئے تھے۔ وائسرائے نے اپنا وعدہ ایفا نہ کر کے اور اس کے ساتھ مسلم لیگ کو نظرانداز کر کے دوہری بدعہدی کا ثبوت دیا۔ میں نہیں جانتا کہ برطانوی حکومت یا لیبر پارٹی اصل حالات سے واقف ہے یا نہیں لیکن مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ برطانوی عوام اور برطانوی پریس سے حقائق کو چھپانے کے لیے درپردہ کوئی تحریک کام کر رہی ہے۔ وائسرائے کا طرزِ عمل ۱۹۴۰ء کے اعلان سے ایک شرارت آمیز انحراف ہے۔ یہ اعلان برطانوی حکومت نے تیار کیا تھا اور اس کی ترتیب میں لیبر پارٹی بھی شریک تھی۔"

قیامِ پاکستان سے چند ماہ پیشتر، ۲۷ مارچ ۱۹۴۷ء کو میمن چیمبر آف کامرس بمبئی کے اجتماع سے قائدِ اعظم نے خطاب فرماتے ہوئے کہا: "ہندوستان ایک رہے یا تقسیم ہو جائے، آخر انگریزوں کا اس سے کیا واسطہ ہے؟ وہ اس کے متعلق کیوں پریشان ہو رہے ہیں؟ وہ کیوں اُمیدوں کے خلاف حوصلہ افزائی کر کے ملک کی قیادت کے لیے کچھ اور راہیں پیدا کر رہے ہیں۔ انگریز جا رہے ہیں، انہیں یہاں سے جانا ہی پڑے گا لیکن وہ متحدہ ہندوستان کا راگ کیوں الاپ رہے ہیں"۔

——— تاریخ کی اس رہنمائی میں غور فرمایئے کہ قائدِ اعظم علیہ الرحمہ نے پاکستان کے حصول کے لیے کیا کچھ کیا ——— اور، کیا پاکستان کسی نے "بخشش" کے طور پر عطا کیا ہے یا قائدِ اعظم نے عملاً یہ انگریز سے چھینا ہے؟

قائدِ اعظم بحیثیتِ مسلمان

قائدِ اعظم محمد علی جناح علیہ الرحمہ کو اسلام کی محبت کا سبق والدہ کی گود ہی میں مل گیا تھا۔ ان کی والدہ منت پوری کرنے کے لیے شیرخوار محمد علی جناح کو پیر حسن کی درگاہ پر لے گئیں جہاں ان کا عقیقہ کیا گیا اور ان کے سر کے بال اتارے گئے۔ مادرِ ملت محترمہ فاطمہ جناح اپنی کتاب "دی برادر" میں اس سفر کی تفصیل بیان کرتے ہوئے لکھتی ہیں کہ جس کشتی میں یہ لوگ سوار تھے، وہ طوفان میں گھر گئی۔ کشتی میں سوار لوگ سراسیمہ ہو گئے۔ میرے والد کی نگاہیں آسمان پر لگی ہوئی تھیں۔ میری والدہ اپنے لاڈلے بیٹے محمد علی کو کلیجے سے لگائے تمام ساتھی مسافروں کی سلامتی کی دعائیں مانگ رہی تھیں۔ طوفان ٹل گیا۔ یہ لوگ بخیریت ساحل پر جا پہنچے تو میری والدہ نے میرے والد سے ذکر کیا کہ میں نے آزمائش کی اس گھڑی میں یہ منت مانی تھی کہ اگر اللہ نے بخیریت منزل پر پہنچا دیا تو میں شکرانے کے طور پر حضرت پیر حسن کی درگاہ پر مزید ایک دن قیام کروں گی ——— چنانچہ محمد علی جناح نے دین سے محبت کا سبق اپنی والدہ سے سیکھا اور زندگی کے آخری برسوں میں دین کے نام پر ایک الگ مملکت کے حصول میں کامیاب ہوئے۔

ایک مسلمان کی حیثیت سے قائدِ اعظمؒ نے اپنی زندگی کو بے خوفی، دلیری اور حق گوئی کا نمونہ بنا دیا تھا۔ مسلمان صرف اللہ سے ڈرتا ہے اور جو خوفِ خدا کو شعار کر لیتا ہے، ہر قسم کا خوف اس سے دور ہو جاتا ہے۔ قائدِ اعظم نے ہر اس

بات کو جسے انہوں نے سچ سمجھا، نہایت بے خوفی اور بے باکی کے ساتھ بیان کر دیا۔ انہوں نے مصلحتوں کی رکاوٹوں کو کبھی اہمیت نہیں دی۔ ۱۹۲۰ء میں کانگرس میں تھے تو گاندھی جی نے "نان کواپریشن" کا چکر چلایا، محمد علی جناح نے کانگرس کے پلیٹ فارم پر ترکِ موالات کے خلاف ووٹ دیا۔ تحریکِ خلافت کے حوالے سے مسلمان رہنماؤں نے قوم کو ترکِ موالات پر اُبھارا، کچھ علما نے مسلمانوں کو ترکِ وطن کی تلقین کی اور یوں لاکھوں افراد کو بے گھر کر دیا، کچھ افغانستان جاتے ہوئے یا واپس آتے ہوئے مر گئے، کچھ وہاں لُٹ گئے، کچھ واپس چلے گئے۔ اس طرح مسلمانوں کا بے اندازہ نقصان ہوا۔ ایسے میں جب مسلمان صرف علما کی جذباتی تقریروں کے دام میں گرفتار تھے اور کسی مسئلے کا سنجیدگی سے تجزیہ کر کے کوئی فیصلہ کرنے کے موڈ میں نہ تھے، قائدِ اعظم نے سیاست ہی سے کنارہ کشی اختیار کر لی۔

متحدہ ہندوستان کی اسمبلی کے ممبر کی حیثیت سے انہوں نے ہمیشہ انگریز حاکموں کو کھری کھری سنائیں اور احقاقِ حق کی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہوتے رہے۔

تقسیمِ ہند کا فیصلہ ہو گیا تو لارڈ ماؤنٹ بیٹن بھارت اور پاکستان دونوں ملکوں کا گورنر جنرل بننے کے خواب دیکھنے لگا، قائدِ اعظم نے اس کی دھمکیوں اور منتوں کا کوئی اثر قبول نہ کیا اور قوم کے مفاد میں خود گورنر جنرل بننے کا اعلان کر دیا۔

اللہ تعالیٰ نے منافقین کے لیے جہنم کے سب سے نچلے طبقے کی خبر دی ہے۔ قائدِ اعظم نے زندگی بھر منافقت، ریاکاری اور تصنع کے خلاف عملی جہاد کیا۔ انہوں نے اپنے ظاہر و باطن کو ایک رکھا، ان میں تفاوت کا شائبہ بھی نہیں آنے دیا۔ گفتار و کردار میں بُعد ان کے نزدیک بہت بڑا جرم تھا اور وہ خدا و رسولِ خدا کے احکام کے پیشِ نظر منافقت اور ریاکاری سے ہمیشہ نفور رہے اور ایسے آدمی کو کبھی

پسند نہیں کیا جسے اس جرم کا چسکا ہو۔

قائدِ اعظم مسلمانوں کے سیاسی رہنما تھے۔ مسلمان ان سے محبت کرتے تھے، عقیدت رکھتے تھے —— لیکن انہوں نے اپنے پہناوے (کوٹ پتلون) کو بدلنے کو ریاکاری سمجھا، اسے منافقت گردانا اور اپنا پسندیدہ لباس پہنتے رہے۔ ایک جلوس میں بگھی میں بیٹھے ہوئے ان کا ہیٹ گھٹنے پر پڑا تھا۔ پاس بیٹھے ہوئے نواب محمد اسماعیل نے اس خیال سے کہ مسلمانوں میں انگریزوں کے خلاف بہت نفرت تھی اور وہ ہیٹ کو ان کا نشانِ خصوصی سمجھتے تھے، قائد سے درخواست کی کہ وہ ہیٹ انہیں دے دیں تاکہ وہ اسے ایک طرف رکھ دیں۔ لوگوں کو نظر نہیں آئے گا تو ان پر اچھا اثر پڑے گا۔ قائدِ اعظم نے یہ سنا تو ہیٹ اُٹھایا اور اسے اپنے سر پر رکھ لیا۔

اسی لیے مخالفین ان کا سامنا کرتے ہوئے کتراتے تھے کہ وہ لگی لپٹی رکھے بغیر حق بات کہہ دینے کا داعیہ رکھتے تھے اور یہی مسلمان کی شان ہے۔ خدا تعالیٰ نے جھوٹ سے اجتناب کی تلقین کی ہے اور جھوٹوں پر لعنت کی ہے تو پھر سچ سے ڈرنا کیا۔ خدا نے منافقت کا نتیجہ دوزخ کا سب سے بُرا طبقہ قرار دیا ہے تو قائدِ اعظم اس سے نفرت کیوں نہ کرتے۔

قائدِ اعظم کا مقابلہ کانگریسیوں سے تھا، جن کا اوڑھنا بچھونا ریاکاری رہا۔ کانگریسیوں کے دھرماتما گاندھی جی ایک بیرسٹر ہو کر ننگ دھڑنگ رہنے کا ڈھونگ رچاتے رہے۔ انہوں نے کبھی "نان کواپریشن" کی بات چلائی، کبھی "عدمِ تشدد" کی تبلیغ کی، کبھی کھدر پوشی کی مہم چلائی۔ لیکن محمد علی جناح کے نزدیک یہ باتیں بے اصل تھیں۔ لاکھوں کروڑوں کی جائیدادوں اور صنعتوں کے مالک عوام الناس کو دھوکہ دینے کے لیے کھدر پہنے پھریں تو یہ منافقت ہے ——

——— اور قائدِ اعظم نے ایسی کسی حرکت کو کبھی پسند نہیں کیا۔

اسلام میں محکومیت کا تصور تک نہیں ہے۔ مسلمان تو اللہ کی نیابت میں حکومت کا انتظام کرتا ہے، کسی کے زیرِ نگیں نہیں رہ سکتا۔ اقتدار اسلام کے ہاتھوں میں نہ ہو تو مسلمان کے لیے دو ہی راستے ہیں یا ملک چھوڑ کر چلا جائے یا ظالم اور کافر حکومت کو بدلنے کے لیے جہاد کرے۔ قائدِ اعظمؒ نے اپنی تمام زندگی انگریزوں کی حکومت کے خلاف جدوجُہد کی اور جب یہ دیکھا کہ ہندو، مسلمان کو انگریز کی غلامی سے نکال کر اپنی غلامی میں لانا چاہتا ہے تو ان سے بھی لڑائی کی۔ قائد کی مخلصانہ کوششیں آخر کار ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کی شکل میں نمودار ہوئیں۔ اور مسلمانانِ ہند محکومی کے جُوئے کو اُتار پھینکنے میں کامیاب ہو گئے۔

نظم و ضبط اسلام میں بنیادی اہمیت رکھتا ہے۔ عبادات سے لے کر معاشرتی زندگی کے تمام شعبوں تک اسلام نے اپنے ماننے والوں کو نظم و ضبط کی تلقین کی ہے۔ قائدِ اعظم اس حیثیت میں بھی پکے اور سچے مسلمان کی طرح قوم کو نظم و ضبط کا پابند دیکھنا چاہتے تھے چنانچہ اُنھوں نے مختلف موقعوں پر اہلِ اسلام کو اس کی اہمیت کی طرف توجہ دلائی اور جہاں انہیں قوم میں اس کا فقدان نظر آیا، وہاں اُنھوں نے سخت ناراضی کا اظہار کر کے اس کی اہمیت مسلمانوں کے دلوں میں راسخ کرنا چاہی۔

اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ جس نے اپنے آپ کو پہچان لیا، اُس نے خدا کو پہچان لیا۔ یعنی خود آگہی ہی خدا آگہی کی راہ دکھاتی ہے۔ قائدِ اعظم خود آگہی کی دولت سے مالا مال تھے اور ملت کو اس صفت سے متصف دیکھنا چاہتے تھے۔ وہ سیاست کے میدان میں رہے یا قانون کی عدالت میں، وہ ساتھیوں میں ہوتے یا معاندین کے پاس، اُنھوں نے ہمیشہ خود آگہی کی دولت کا احساس کیا اور لوگوں

کو اس کا احساس دلایا۔ انہوں نے قوم کے لیے اس صفت کے حصول ہی کی خاطر الگ ملک کا مطالبہ کیا اور پھر اسے حاصل کر کے دم لیا۔

مسلمانوں کو خدا اور رسولؐ نے پابندیٔ وقت کا احساس دلانے کے لیے بہت سے احکام دیے ہیں۔ نماز، حج، روزہ، زکوٰۃ تمام عبادات میں پابندیٔ وقت ہی کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ قائدِ اعظم محمد علی جناح رحمۃ اللہ تعالیٰ کی زندگی سے ظاہر ہے کہ وہ پابندیٔ وقت کا بہت خیال رکھتے تھے۔ وہ مقررہ وقت کے علاوہ کسی ملاقاتی سے نہیں ملتے تھے۔ کہیں جانا ہو، یا کسی کو ان کے پاس آنا ہو، انہیں اپنے اور دوسروں کے وقت کا بہت خیال ہوتا تھا۔ ایک بار ان کا حجام ایک آدھ منٹ کی تاخیر سے پہنچا تو انہوں نے حجامت بنوانے سے انکار کر دیا۔ انہوں نے ہمیشہ لوگوں کو اس کی اہمیت جتانے کی سعی کی۔

اسلام نے پرائی عورت اور پرائے مال پر نظر رکھنے کی ممانعت کی ہے۔ قائد کی زندگی تمام دنیا کے سامنے ہے۔ انہوں نے کسی کے حصّے کے مال کو کبھی نظر اُٹھا کر بھی نہیں دیکھا اور اگر کبھی کسی نے وکیل کے طور پر ان سے طے کی ہوئی فیس سے زیادہ رقم دینا چاہی تو انہوں نے اسے اپنا حق نہ جانتے ہوئے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ آپ انگلستان میں حصولِ تعلیم میں مصروف تھے کہ شطرنج میں مات کھانے کے بعد انگلستان کی ایک خاتون نے معاہدے کے مطابق اپنی مرضی یوں استعمال کرنا چاہی کہ محمد علی جناح اسے "پیار" کریں۔ تو جناح محض اس لیے مجلس سے واک آؤٹ کر گئے تھے کہ اسلام نے اپنی بیوی کے علاوہ کسی عورت کو پیار کرنے کی اجازت نہیں دی۔

حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو حسد کرے، وہ ہم میں سے نہیں۔ قائدِ اعظم کی حیات پر نگاہ دوڑائیں تو اس کا ایک لمحہ بھی اس گناہ میں

ملوث نظر نہیں آتا۔ ان کی زندگی مسلسل تگ و دو سے عبارت تھی لیکن کہیں حسد کا شائبہ بھی دکھائی نہیں دیتا۔ قائدِ اعظم نے وکالت شروع کی تو بڑے وکیلوں سے حسد نہیں کیا۔ انہوں نے سیاست کی وادیٔ پُرخار میں آبلہ پائی کی تو چھوٹا لیڈر ہوتے ہوئے کسی بڑے لیڈر سے حسد نہیں کیا۔ اگرچہ پروا بھی کسی کی نہیں کی۔ حق بات کہہ دینے کا فریضہ بہرحال انجام دیتے رہے۔ جب خود بڑے لیڈر بن گئے تو کسی چھوٹے لیڈر کو حقیر نہیں سمجھا کہ مسلمان کی شان یہی ہے۔

حضور سرورِ انبیا علیہ التحیۃ والثنا نے خوشامد کرنے والے کا منہ خاک سے بھر دینے کی بات فرمائی۔ قائدِ اعظمؒ نے اسے یوں حرزِ جاں بنایا کہ ان کے سامنے کسی کو ان کی تعریف کرنے کی جسارت نہیں ہوتی تھی۔ حصولِ پاکستان کے حوالے سے تو بات ان کے سامنے بھی ہوتی تھی لیکن کسی خوشامدی کو اپنا فن ان پر آزمانے کی جرأت اوّل تو ہوتی ہی نہ تھی، کوئی یہ جسارت کر بیٹھتا تھا تو اسے مہنگی پڑتی تھی۔

جو شخص لوگوں کے منہ پر سچی بات کہہ دینے کی جرأت نہ رکھتا ہو، اس سے غیبت جیسا قبیح فعل سرزد ہی نہیں ہو سکتا۔ اسے اس کی ضرورت نہیں رہتی کہ غیبت کا مرتکب ہو۔ غیبت سازش کو جنم دیتی ہے اور قائدِ اعظم سازشیوں کو پاس بھی پھٹکنے نہ دیتے تھے۔ بابائے قوم ہر آدمی کے روبرو سچ کہہ دینے کے حوصلے سے بہرہ مند تھے، اس لیے غیبت کا جرم جسے خداوندِ تعالیٰ نے مُردہ بھائی کا گوشت کھانے کے مترادف کہا ہے، ان سے سرزد ہی نہیں ہو سکا۔

آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ خصوصیت جو کسی شخص میں پائی جاتی ہو، اس کی غیر حاضری میں اس کا ذکر کیا جائے تو غیبت ہے۔ اگر ایسی کوئی بات کسی کے متعلق کہی جائے جو اس میں نہ پائی جاتی ہو تو یہ بہتان ہے۔ سیاست

میں بہتان تراشی عام ہوتی ہے۔ کچھ علما نے قائدِ اعظم کی بیوی کے متعلق ژاژ خائی کی، کچھ نے ان کی محترم ہمشیرہ کو گالیاں دیں، لیکن خوشگوار حیرت ہوتی ہے جب ایسی باتیں سن کر بھی قائدِ اعظمؒ نے اپنے کسی مخالف کے بارے میں بہتان تو کیا تراشنا تھا، ان کے متعلق سچی باتیں بھی ان کی غیر حاضری میں نہیں کہیں۔ چنانچہ سیاست کی دنیا میں جہاں بہتان تراشی اور اتہام طرازی کا سکہ چلتا ہے، اس صاف ستھرے انسان نے غیبت تک کو قریب نہیں پھٹکنے دیا۔

اسلام نے اپنے ماننے والوں کو فرض شناسی کا درس دیا ہے۔ آدمی خدا و رسولِؐ خدا پر ایمان کا دعوے دار بھی ہو اور فرض ناشناسی کا مرتکب بھی —— یہ ممکن نہیں، وہ اصل میں اپنے دعوے میں جھوٹا ہوتا ہے۔ قائدِ اعظمؒ اپنے دعویٔ اسلام میں اتنے سچے تھے کہ انہوں نے فرض ناشناسی کا دامن اپنی آخری علالت میں بھی نہیں چھوڑا۔ بسترِ مرگ پر پڑے ہوئے بھی وہ اپنے فرائض کے بارے میں سوچتے تھے اور انہی کے متعلق گفتگو کرتے رہے۔ ان کا احساسِ ذمہ داری ضرب المثل ہے۔

جو لوگ ارادے کے پختہ ہوں، وہی دراصل صحیح معنوں میں ایمان و یقین کے درجے پر فائز ہوتے ہیں اور قائدِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا عزمِ مصمم تو پاکستان کی شکل میں لوگوں کے سامنے آ گیا۔ مسلمان وہ ہے جو پہلے نیکی کا عامل ہو، پھر لوگوں کو اس کی تلقین کرے۔ "لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْن" کی الٰہی ہدایت نے کردار و عمل میں یکسانیت اور ہم آہنگی سکھائی ہے۔ قائدِ اعظم محمد علی جناح نے جو سبق قوم کو سکھایا، اس پر پہلے خود عمل کیا۔ انہوں نے عملِ پیہم سے اپنے نصب العین کو حاصل کر لیا —— اور صرف اسی طرح فرد یا ملت کامیابیوں سے ہمکنار ہو سکتے ہیں۔

"قائدِ اعظمؒ سچے اور کھرے مسلمان تھے۔ انہیں خدا و رسولؐ کی تعلیمات کو

اپنے جسم و جان پر برتنے کا سلیقہ تھا۔ انہوں نے اسلام کی سکھائی ہوئی راہ پر چل کر منزل پر پہنچنے کا ارادہ کیا۔ خود اعتمادی ان کا زادِ سفر تھا۔ خداوندِ کریم جل وعلا نے منزلِ مقصود کو ان کے قریب کر دیا۔ اگر ان کی قوتِ ایمانی کارفرما نہ ہوتی تو کیا دنیا میں ایسا کبھی ہوا ہے کہ کوئی ایسا شخص کسی قوم کا مسلّمہ رہنما بن جائے جو اس قوم کی زبان میں گفتگو نہ کرتا ہو۔ اُن کے پختہ ایمان ہی کی بدولت اللہ کریم نے لوگوں کے دل ان کے لیے مسخر کر دیے۔ اور زیادہ تر انگریزی سے نابلد مسلمان، انگریزی بولنے والے محمد علی جناح کی رہنمائی میں پاکستان لے کے رہے۔

قائدِ اعظم ـــ بحیثیتِ قانون دان

محمد علی جناح قانون کی اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لیے ۱۸۹۲ء میں انگلستان گئے۔ وہاں "لنکن اِن" میں داخلہ لیا۔ آپ پہلے ہندوستانی تھے جس نے ۱۸ سال کی عمر میں بیرسٹری کی تعلیم مکمل کی۔ ۱۸۹۶ء میں واپس ہندوستان لوٹے تو گھریلو حالات دگرگوں تھے۔ والدہ فوت ہو چکی تھیں۔ والد کا کاروبار ختم ہو چکا تھا۔ انہوں نے عملی زندگی کا آغاز کیا تو حالات کی نامساعدت نے روڑے اٹکائے۔ ابتدائی تین سال آزمائش کے تھے۔ محمد علی جناح استقلال، پامردی اور مستقل مزاجی کا مجسمہ تھے۔ ان کے کردار کے یہ بنیادی اوصاف رنگ لائے۔ بمبئی کے ایڈووکیٹ جنرل مولس ورتھ میکفرسن نے محمد علی جناح کو اپنے چیمبرز میں مطالعے کی اجازت دے دی۔

۱۹۰۰ء میں پریذیڈنسی مجسٹریٹ کی اسامی خالی ہوئی تو جوڈیشل ڈیپارٹمنٹ کے انچارج سر چارلس اولیونٹ نے اس عارضی اسامی پر ان کا تقرر کر دیا۔ اس دوران میں انہوں نے اپنی لیاقت اور قابلیت کا سکّہ منوایا۔ سر اولیونٹ نے انہیں ۱۵ سو روپے ماہوار کی ایک ملازمت کی پیشکش کی تو جناح نے کہا "میں پندرہ سو روپے ماہوار کے بجائے ۱۵ سو روپے روزانہ کمانا چاہتا ہوں۔"

محمد علی جناح نے اپنی قابلیت، ذہانت اور مستقل مزاجی سے جلد ہی بمبئی میں ایک خاص مقام پیدا کر لیا۔ اور برِصغیر کے چوٹی کے وکلا میں ان کا شمار

ہونے لگا۔ قائدِ اعظم پوری جانفشانی سے مقدمہ تیار کرتے تھے اور عدالت میں بہت اچھے طریقے سے اسے پیش کرتے۔ ان کے دلائل عموماً جج کو متاثر کر لیا کرتے تھے۔

عدالت میں قائدِ اعظم کی جرأت اور بے باکی کے بہت سے واقعات مشہور ہیں۔ ایک بار ایک جج کو ان کا استدلال پسند نہ آیا تو اس نے کہا، مسٹر جناح! خیال رہے کہ آپ کسی تھرڈ کلاس مجسٹریٹ کو خطاب نہیں کر رہے ہیں۔ قائدِ اعظم نے برجستہ جواب دیا، "اور آپ بھی مت بھولیے کہ آپ کے سامنے کوئی تھرڈ کلاس وکیل نہیں ہے۔"

ایک مقدمے کی سماعت کے دوران میں جج نے انہیں بلند آواز سے بولنے کو کہا کہ وہ ان کی آواز نہیں سُن سکتا۔ انہوں نے کہا "میں بیرسٹر ہوں، ایکٹر نہیں ہوں۔" کچھ دیر کے بعد اس نے پھر انہیں اونچا بولنے کو کہا تو جناح بولے۔ "اگر آپ کتابوں کا انبار اپنے سامنے سے ہٹا دیں تو جناب کو سُننے میں دقت نہیں ہوگی۔"

ایک مرتبہ قائدِ اعظم جسٹس مرزا علی اکبر خاں کی عدالت میں بحث کر رہے تھے۔ کسی سلسلے میں جسٹس مرزا کی زبان سے نکل گیا کہ "یہ میری ذاتی رائے ہے۔" قائدِ اعظم نے فوراً کہا "یور لارڈشپ! میں آپ کی ذاتی رائے کو پیتل کے دو بٹنوں کے برابر بھی وقعت نہیں دیتا۔"

بانیٔ پاکستان محمد علی جناح رحمۃ اللہ نے اپنی پیشہ ورانہ زندگی میں بھی دیانتداری کی اعلیٰ مثالیں قائم کیں۔ ایک دفعہ ایک مؤکل قانونی مشورے کے لیے آپ کے پاس آیا۔ اس نے مقدمے کی نہایت ضخیم مسل پیش کی اور فی گھنٹہ فیس مقرر کرتے ہوئے دس ہزار روپیہ دیا اور کہا کہ جب دس ہزار روپے ختم ہو جائیں، آپ

مسل کا مطالعہ بند کر دیں۔ مؤکل آیا تو قائدِ اعظم نے اس مقصد کے لیے صرف کیے گئے وقت کے مطابق ساڑھے تین ہزار روپے رکھ لیے، باقی رقم واپس کر دی۔

ایک مرتبہ ان کے سولسٹر نے ایک مؤکل ان کے پاس یہ کہہ کر بھیجا کہ اس کے پاس مقدمے کے لیے زیادہ پیسے نہیں ہیں۔ انہوں نے مقدمہ لے لیا لیکن ہار گئے۔ مگر انہیں یقین تھا کہ مقدمے میں جان ہے، اپیل کرنا چاہیے۔ سولسٹر نے جناح کو پھر یقین دلایا کہ مؤکل کے پاس رقم نہیں ہے۔ انہوں نے سولسٹر سے کہا کہ اپیل دائر کرنے کا کچھ خرچ وہ اپنی جیب سے دے دے۔ اپیل میں وہ جیت گئے۔ لیکن جب سولسٹر نے انہیں فیس دلوانا چاہی تو قائدِ اعظم نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ انہوں نے مقدمہ بغیر فیس کے لیا تھا۔

قائدِ اعظم کے ایک مؤکل نے عدالت میں ان کی کارکردگی سے متاثر ہو کر مقررہ معاوضے سے زیادہ رقم بھیجی تو انہوں نے فاضل رقم واپس کر دی اور لکھا کہ جتنی فیس طے ہوئی تھی، میں اسی قدر لے سکتا ہوں، زائد نہیں۔

ایک مشہور تاجر کسی سنگین الزام میں ماخوذ ہوئے۔ قائدِ اعظم سے فیس کی بات ہوئی تو انہوں نے کہا "پانچ سو روپے روزانہ"۔ تاجر نے کہا میرے پاس پانچ ہزار روپے ہیں۔ پتا نہیں، مقدمہ کب تک چلے۔ آپ یہ رقم معاوضے کے طور پر وصول کر لیں۔ لیکن قائدِ اعظم نہیں مانے۔ مقدمہ لیا، تین دن میں مقدمہ جیتا اور ۱۵ سو روپے فیس وصول کی۔

قائدِ اعظم بااصول شخصیت تھے۔ انہوں نے بیگم ریاست بھوپال کے کاغذات و دستاویزات دیکھ کر (جو چار پانچ صندوقوں پر مشتمل تھے) مشورے کے لیے پانچ سو روپے فی گھنٹہ فیس طے کی۔ مؤکل کا خیال تھا کہ تمام کاغذات دیکھنے پر کئی دن لگیں گے لیکن جناح نے بیس منٹ میں مقدمے کی حقیقت

سمجھ کر مشورہ دے دیا اور صرف بیس منٹ کے حساب سے رقم وصول کی۔

بابائے قوم قائدِ اعظم محمد علی جناح علیہ الرحمہ نے اپنی سیاسی زندگی کی طرح وکیل کے طور پر اپنی پیشہ ورانہ زندگی میں بھی اصولوں کا خیال رکھا اور کسی بڑے سے بڑے شخص سے بھی متاثر نہیں ہوئے۔ انہوں نے دیانتداری اور محنت کو کبھی ہاتھ سے نہیں جانے دیا اور کبھی کسی کی ناجائز دھونس اور رعب میں نہیں آئے۔ ۱۹۰۲ء کا ذکر ہے، ہائی کورٹ میں کوئی بڑا اہم مقدمہ سنا جا رہا تھا عدالت کا کمرہ کھچا کھچ بھرا ہوا تھا حتیٰ کہ اس کے دروازے بند کرنا پڑے۔ کمرے میں ایک حصہ وکلا کے لیے مخصوص تھا۔ جب محمد علی جناح اندر آئے تو انہوں نے دیکھا کہ کوئی کرسی خالی نہیں۔ لیکن غور سے دیکھنے پر معلوم ہوا کہ وکلا کی نشستوں میں سے ایک پر بمبئی کارپوریشن کا صدر جیمز میکڈانلڈ بیٹھا ہوا ہے۔ محمد علی جناح نے انہیں کہا کہ وہ کرسی خالی کر دیں۔ مسٹر میکڈانلڈ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ انہیں بھی کوئی شخص کرسی خالی کرنے کے لیے کہہ سکتا ہے اچنانچہ کرسی سے نہیں اُٹھے۔ محمد علی جناح نے عدالت کے منشی سے شکایت کی اور مطالبہ کیا کہ مسٹر میکڈانلڈ کو کرسی سے اُٹھایا جائے۔ منشی ہچکچایا تو جناح نے دھمکی دی کہ وہ جج سے شکایت کریں گے۔ منشی نے مجبوراً میکڈانلڈ سے کرسی خالی کرنے کی درخواست کی اور جناح وہاں بیٹھ گئے ــــ مسٹر میکڈانلڈ نے ناراض ہونے کے بجائے جناح کا نام دریافت کیا اور کچھ دن بعد انہیں ایک ہزار روپے ماہانہ پر کارپوریشن کا وکیل مقرر کر دیا۔

قائدِ اعظم کو جس مقدمے کے بارے میں یقین ہو جاتا کہ جھوٹا ہے، اسے ہاتھ میں نہیں لیتے تھے ــــ اور ظاہر ہے کہ ان کے نزدیک اصولوں کے مقابلے میں پیسے کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ ایک دفعہ پنجاب کی ایک ریاست کے حکمران نے اپنے مقدمے

کے کاغذات کے ساتھ فیس کے طور پر ایک لاکھ روپے بھی پیش کر کے اصرار کیا کہ اس مقدمے کو اپنے ہاتھ میں لیں۔ لیکن کیس کے مطالعے کے بعد آپ نے کاغذات کے ساتھ فیس بھی واپس کر دی کیونکہ مقدمہ جھوٹا تھا۔

ایک مقدمے کے سلسلے میں انہیں بھوپال جانا تھا۔ ان کے پہنچنے سے پہلے مقدمے کی سماعت شروع ہو گئی اور قائدِ اعظم کے جونیئر وکیل بیرسٹر محمد حسین نے بحث شروع کر دی۔ جب آپ وہاں پہنچے تو جونیئر وکیل نے بحث کی درخواست کی۔ قائدِ اعظم نے فرمایا کہ یہ پیشے اور اخلاق کے منافی ہے۔ میرے برادر وکیل نے مقدمے کا آغاز کر دیا ہے، اب میں ان کے جونیئر کے طور پر ان کی مدد کروں گا ــــ یہ کہہ کر مقدمے کے آخر تک جونیئر وکیل کے طور پر شامل رہے اور مؤکل کو بحث کی فیس واپس کر دی۔

بانیٔ پاکستان محمد علی جناح رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی پیشہ ورانہ زندگی کو بھی ہمیشہ قومی مفاد کے تابع رکھا اور ملک و قوم کی بہتری کے لیے پیشہ ورانہ مفاد کو تج دیا۔ اپریل ۱۹۳۴ء میں مرکزی اسمبلی میں معاہدۂ اٹاوہ کے مشہور کیس پر بحث ہو رہی تھی۔ آخری دن نہایت اہم تھا۔ عین رائے شماری کے دن انہیں پیشکش کی گئی اور اس پر اصرار کیا گیا کہ وہ ایک مقدمے کی پیروی کے لیے بمبئی پہنچیں۔ اس مقصد کے لیے ایک لاکھ روپے کی پیشکش کی گئی (یہ ایک لاکھ ۱۹۳۴ء کا تھا) لیکن آپ نے وطنِ عزیز کی خاطر اس گرانقدر فیس کو ٹھکرا دیا اور اسمبلی کی کارروائی سے غیر حاضر ہونا پسند نہ کیا۔

دیوان سنگھ مفتون کے اخبار "ریاست" نے ایک ریاست کے خلاف مضمون لکھا۔ ریاست نے ایڈیٹر کے خلاف دعویٰ دائر کر دیا ــــ پیروی کے لیے قائدِ اعظم سے درخواست کی اور ایک گراں قدر رقم فیس کے طور پر پیش کی۔ انہوں نے یہ کہہ کر فیس ٹھکرا دی اور مقدمہ نہیں لیا کہ ان کے نزدیک ہندوستان کے پریس کی آواز کو دبانا جرم ہے، وہ پریس کی آزادی کے لیے کوشاں ہیں۔

قائدِ اعظمؒ بحیثیت سیاستدان

۱۹۰۹ میں منٹو مارلے اصلاحات ملک میں نافذ ہوئیں تو مسلمانوں کے جداگانہ انتخاب کا حق تسلیم ہوا۔ اور محمد علی جناح بمبئی پریذیڈنسی کے مسلم حلقۂ انتخاب سے نو تشکیل سپریم قانون ساز کونسل کے بلامقابلہ رکن منتخب ہوئے۔ اُنہوں نے اسمبلی میں جرأت کے ساتھ ہندوستانیوں کی نمایندگی اور ترجمانی کا حق ادا کیا۔

۱۹۱۱ء میں قائدِ اعظم محمد علی جناحؒ نے امپیریل کونسل میں وقف علی الاولاد (جو خالصتہً مسلمانوں کا مسئلہ تھا) سے متعلق ایک مسودہ پیش کیا۔ برصغیر کی تاریخ میں یہ پہلا موقع تھا کہ کسی پرائیویٹ رکن کی طرف سے کوئی بل پیش ہو کر مجموعہ قوانین میں شامل ہوا۔

۱۹۱۳ میں قائدِ اعظمؒ نے مسلم لیگ کی رکنیت اختیار کی۔ لیکن کانگرس کے رکن بھی رہے۔ اُس دور میں محمد علی جناح کا نام ہندو مسلم اتحاد کی علامت سمجھا جاتا تھا اور اُنہوں نے اس مقصد کے لیے انتھک جدوجہد کی۔

اکتوبر ۱۹۱۶ء میں بمبئی کی صوبائی کانفرنس جو آل پارٹیز کانفرنس تھی احمد آباد میں ہوئی۔ اس کی صدارت محمد علی جناح نے کی۔ اُنہوں نے فرمایا۔ "مسلمان کونسلوں کے ایوانوں، میونسپل کمیٹیوں اور ڈسٹرکٹ بورڈوں میں صحیح اور مؤثر نمایندگی چاہتے ہیں اور یہ ایسا مطالبہ ہے جس سے کوئی صحیح الخیال ہندو ایک لمحے کے لیے اختلاف نہیں کر سکتا۔"

دسمبر ۱۹۱۶ء میں لکھنؤ میں کانگرس اور مسلم لیگ کے اجتماعات منعقد ہوئے جو "معاہدۂ لکھنؤ" کی وجہ سے تاریخ میں ایک نمایاں مقام رکھتے ہیں مسلم لیگ کے اجتماع کی صدارت کرتے ہوئے محمد علی جناح نے کہا "ہم کسی انعام یا رعایت کی خواہش نہیں رکھتے اور نہ کوئی امتیازی سلوک چاہتے ہیں۔ مسلمانوں کو پوری عزتِ نفس کے ساتھ ہندوؤں کے ساتھ معاملہ طے کرنا چاہیے۔"

۱۹۱۷ء میں ہونے والے مسلم لیگ کے اجلاس میں قائدِ اعظمؒ نے ایک قرارداد پیش کی جس میں نظم و نسق کے ہر شعبے میں ہندوستانیوں کی شمولیت کے اضافہ پذیر ہونے کے اعلان پر اظہارِ مسرت کیا گیا اور ہر ریفارم میں مسلمان قوم کی موزوں اور مؤثر نمایندگی کا مطالبہ کیا گیا۔ قرارداد کی تائید ابوالقاسم نے کی۔ اور سید رضا علی، یعقوب حسن، برکت علی، نواب سرفراز حسین خان، نواب ذوالقدر جنگ اور خواجہ حاجی عبدالصمد ککڑو نے تائیدِ مزید کی۔

مارچ ۱۹۱۹ء میں حکومت نے رولٹ ایکٹ منظور کیا جس کے تحت پولیس کو اختیار دیا گیا تھا کہ وہ کسی شہری کو بلا وارنٹ گرفتار کر سکتی ہے۔ محمد علی جناح مرحوم نے اس ایکٹ کی پُر زور مخالفت کی۔ اُنہوں نے لیجسلیٹو کونسل میں ہنگامی اختیارات کے اس بل پر بحث کے دوران آٹھ زبردست تقریریں کیں۔ اُنہوں نے حکومت سے کہا۔ "اگر یہ قوانین پاس ہو گئے تو ملک کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک ایسی بے اطمینانی اور شورش کا موجب بنیں گے جو آپ نے کبھی نہ دیکھی ہو۔"

رولٹ ایکٹ منظور ہو گیا تو پنڈت موتی لال نہرو جیسے تو اسمبلی کی کرسیوں پر ڈٹے رہے لیکن قائدِ اعظمؒ نے ۲۸ مارچ کو اپنا استعفیٰ وائسرائے کو بھیج دیا اور لکھا کہ "جو حکومت زمانۂ امن میں ایسے قانون منظور کرتی یا اس کی اجازت

دیتی ہے، وہ مہذب حکومت کہلانے کا حق کھو دیتی ہے۔"

۱۹۲۰ء میں خلافت کے لیڈروں نے گاندھی جی کو لیڈر بنالیا، انہیں "باپو" کہا، مہاتما قرار دیا، خلافت کے چندے سے انہیں ملک بھر کا دورہ کرایا۔ ان کے کہنے سے "نان کوآپریشن" کو ترکِ موالات کا نام دیا۔ اور ترکِ معاملت کی ٹھان لی۔ محمد علی جناح نے اس کو نقصان دہ سمجھا اور ناگپور کے کانگرس کے سالانہ اجلاس میں گاندھی جی کے ستیہ گرہ کے پروگرام پر اعتراضات کیے تو مسلمانوں نے جو خلافت کے لیڈروں کی تقریروں کے سحر میں گرفتار ہو کر گاندھی جی کو "مخلص رہنما" سمجھتے تھے، جناح کی باتوں پر توجہ نہ دی۔ خلافت کمیٹی کے فیصلوں اور گاندھی جی کی مکاریوں کا پول کھلا تو مسلم لیگ میں پھر زندگی کے آثار نظر آنے لگے۔

۲۴، ۲۵ مئی ۱۹۲۴ء کو لاہور میں مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس کی صدارت کرتے ہوئے "نان کوآپریشن" کے پروگرام کی مضرت رسانیوں کا جائزہ لیا، اسی اجلاس میں ایک قرارداد منظور ہوئی جس میں آبادی کے تناسب کے مطابق نمایندگی کے تناسب کا فیصلہ کیا گیا۔

حکومتِ برطانیہ نے سائمن کمیشن کے قیام کا اعلان کیا۔ مولانا محمد علی جوہر نے ۱۹؍ مئی ۱۹۲۸ء کو آل پارٹیز کانفرنس منعقد کی جس میں محمد علی جناح سمیت ۲۳ نمایندوں کے وفد نے شرکت کی اور قائدِ اعظم نے قائدِ وفد کی حیثیت سے نہایت عمدہ تقریر کی اور نہرو رپورٹ پر مسلمانوں کا نقطۂ نظر بھرپور انداز میں پیش کیا۔ ۱۲ مارچ ۱۹۲۹ء کو مرکزی اسمبلی کا بجٹ اجلاس شروع ہوا تو قائدِ اعظم نے اپنی تقریر میں تفصیلاً بتایا کہ مسلمانوں نے نہرو رپورٹ کو کیوں قبول نہیں کیا۔ مارچ ۱۹۲۹ء کے آخری ہفتے میں لیگ کا ملتوی شدہ اجلاس دہلی میں ہوا جس میں ڈاکٹر عالم، تصدق احمد خاں شیروانی اور کچھ دوسرے لوگوں نے نہرو رپورٹ کی منظوری کی قرارداد پیش

کی مگر آخر کار نہرو رپورٹ کے حامیوں کو بھاگ جانا پڑا —— اور اجلاس نے اس رپورٹ کو مسترد کر دیا۔ اور "جناح کے چودہ نکات" منظور ہوئے۔ یہ نکات ۳۱ دسمبر ۱۹۲۸ء کو آل پارٹیز مسلم کانفرنس دہلی میں سر آغا خاں کی زیرِ صدارت منظور کیے جا چکے تھے۔ جناح کے مرتب کردہ ان چودہ نکات کو مسلمانانِ ہند کے لیے اعلیٰ ترین منشور کہا جا سکتا ہے۔ مسلمانوں نے ان نکات کے ذریعے پہلی مرتبہ اپنی اہمیت اور حیثیت کو انگریزوں اور ہندوؤں سے منوایا۔

۱۹۳۱ء میں قائدِ اعظم علیہ الرحمہ نے لندن میں گول میز کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: "جب تک آپ مسلمانوں کا تعاون، خلوص اور رضامندی حاصل نہ کریں گے، اُس وقت تک جو دستور بھی ہندوستان کے لیے بنائیں گے، وہ چوبیس گھنٹے بھی نہ چل سکے گا۔" اس کے بعد قائدِ اعظم انگلستان میں رہائش پذیر ہو گئے اور ۱۹۳۴ء میں ہندوستان واپس آئے۔

اس دوران میں لیگ دو حصوں میں بٹی رہی۔ قائدِ اعظمؒ واپس آئے تو دونوں لیگوں کے صدر اُن کے حق میں دستبردار ہو گئے اور انہیں لیگ کا دوبارہ صدر منتخب کر لیا گیا۔ ۱۹۳۷ء میں قائدِ اعظم نے لیگ کی تنظیمِ نو کا کام شروع کیا۔ ۱۷، ۱۸ اپریل ۱۹۳۸ کو کلکتہ میں مسلم لیگ کے اجلاس میں قائدِ اعظمؒ نے اعلان کیا۔ "کانگرس سراسر ہندو جماعت ہے۔ جب تک کانگرس کے دل و دماغ سے ہندو راج کا خواب بالکل مفقود نہ ہو جائے گا جب تک مسلمانوں کے قالب میں روح ہے، وہ کانگرس کا غلام بننا ہرگز گوارا نہ کریں گے۔" اکتوبر ۱۹۳۸ء میں سندھ صوبہ مسلم لیگ کی سالانہ کانفرنس کراچی میں ہوئی۔ صدارت قائد نے فرمائی اور اپنے خطبۂ صدارت میں پہلی بار مسلمانوں کے لیے حقِ خود ارادیت کا مطالبہ کیا۔

دسمبر ۱۹۳۸ء میں مسلم لیگ کا چھبیسواں اجلاس پٹنہ میں ہوا۔ قائدِ اعظم نے

اجلاس کی صدارت کرتے ہوئے واشگاف الفاظ میں فرمایا: "کانگرس مسلمانوں سے سمجھوتہ کرنے کے حق میں نہیں۔ وہ تو اپنا من مانا فیصلہ ان پر ٹھونسنا چاہتے ہیں۔ میں یہ اعلان کر دینا چاہتا ہوں کہ ہم مسلمان کسی کی طرف سے کسی تحفے کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں۔ ہم نے فیصلہ کر لیا ہے کہ ہم اپنا جائز حق لے کر رہیں گے۔"

۲۲۔ مارچ ۱۹۲۹ء کو مرکزی اسمبلی میں انگریزوں اور ہندوؤں کو مخاطب کرتے ہوئے قائداعظم (رحمہ اللہ) نے کہا: "تمہاری تعداد سب سے زیادہ ہوا کرے۔ تم ترقی یافتہ ہو اور تمہاری اقتصادیات مستحکم ہی سہی اور تم سمجھا کرو کہ سروں کی گنتی ہی آخری فیصلہ ہے لیکن میں تم دونوں کو بتائے دیتا ہوں کہ تم تنہا یا تم دونوں اکٹھے ہو کر بھی ہماری روح کو مٹا دینے میں کبھی کامیاب نہ ہو سکو گے جو ہمیں ورثے میں ملی ہے ہمارا نو پا ایمان زندہ ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گا۔"

اپریل ۱۹۲۹ء میں پنڈت جواہر لعل نہرو کے ایک خط کے جواب میں بابائے قوم محمد علی جناح نے لکھا: "اگر کانگرس مسلم لیگ کو مساوی درجہ نہیں دے گی اور اس بنیاد پر ہندو مسلم مفاہمت پر بات چیت نہیں کرے گی تو ہمیں اُس دن کا انتظار کرنا ہو گا جب ہماری طاقت سے از خود ہماری اہمیت اور امتیازی حیثیت ثابت ہو جائے۔"

—— اور پھر ۲۳۔ مارچ ۱۹۴۰ء کو لاہور میں آل انڈیا مسلم لیگ کا وہ تاریخی اجلاس ہوا جس میں اتفاق رائے سے قراردادِ پاکستان منظور ہوئی۔ اِس اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے قائداعظم نے فرمایا: "قوم کی کوئی تعریف کیجئے، اُس کے مطابق مسلمان ایک الگ قوم ہیں۔ اس لیے انہیں حق حاصل ہے کہ اپنا الگ قومی وطن بنائیں، اپنے علاقے الگ کر لیں، اپنی مملکت الگ بنائیں۔"

۲۔ مارچ ۱۹۴۱ء کو پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن سے خطاب کرتے ہوئے بابائے قوم نے فرمایا: "ہم جس اہم جدوجہد میں برسرپیکار ہیں، وہ صرف مادی منفعت کے لیے ہی نہیں بلکہ مسلم قوم کے وجود کو باقی رکھنے کے لیے بھی ہے۔"

مئی ۱۹۴۴ء میں گاندھی جی اور قائداعظم میں خط کتابت اور بات چیت کا سلسلہ شروع ہوا۔ لیکن نتیجہ خیز نہ ہوا۔ گاندھی جی چاہتے تھے کہ مسلمان کانگرس میں شامل ہو جائیں اور انگریزوں کے چلے جانے کے بعد ہندو اور مسلمان آپس کے اختلافات نمٹا لیں۔ قائداعظم چاہتے تھے کہ آزادی سے پہلے اختلافات نمٹا لیے جائیں اور گاندھی جی پاکستان کا اصول مان لیں۔

۸۔ مارچ ۱۹۴۴ء کو علی گڑھ کے طلبہ سے خطاب کرتے ہوئے آپ نے کہا:
"تقسیم ہند کے مطالبے کی وجہ نہ ہندوؤں کی تنگ نظری ہے نہ انگریزوں کی چال —— یہ اسلام کا بنیادی مطالبہ ہے۔"

قائداعظم قوم کے جوانوں، بوڑھوں، عورتوں اور بچوں کو ساتھ لے کر ایک عظیم نصب العین کے حصول کے لیے بڑھے تھے، ان کا مقابلہ انگریزوں اور ہندوؤں سے تھا، دونوں سیاسی قومیں تھیں۔ لیکن استقلال و استقامت کے اس مجسمے نے اپنے مقصد کو حاصل کر کے دم لیا۔ انگریزوں کو مجبور کر دیا کہ تقسیم ہند کے مطالبے کو اہمیت دیں۔ ہندوؤں کو زچ کر دیا کہ سیاست کے میدان میں اُن کا پالا محمد علی جناح نامی شخصیت سے تھا۔ قائداعظم نے سیاست میں "پاکھنڈی" بننا گوارا نہیں کیا۔ اُنہوں نے منافقت کو شعار نہیں کیا۔ وہ ظاہر و باطن کے تضاد کا کبھی شکار نہیں ہوئے۔

—— اور انگریزوں اور ہندوؤں کے علاوہ مسلمانوں کے "علماء" کے ایک گروہ کی سازشوں اور ریشہ دوانیوں نے ان کا کچھ نہ بگاڑا اور آخر کار ۱۴ اگست ۱۹۴۷ نے دنیا کے نقشے پر کچھ نئے نقوش اُبھار دیے۔

قائدِ اعظمؒ —— بحیثیت سربراہِ مملکت

لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے کئی بار قائدِ اعظم محمد علی جناح سے پوچھا کہ پاکستان کا گورنر جنرل کون ہوگا۔ پنڈت جواہر لال نہرو اسے ہندوستان کا گورنر جنرل بننے کی پیشکش کر ہی چکے تھے۔ وہ چاہتا تھا کہ پاکستان کا گورنر جنرل بھی اُسی کو بنا لیا جائے تو وہ کانگرس کے مفادات کی نگرانی کرتا رہے۔ آخر کار ۲۰ جولائی ۱۹۴۷ء کو قائد نے ایک ملاقات کے دوران میں شائستگی کے ساتھ اسے اپنے فیصلے کی اطلاع دے دی کہ صدیوں کی غلامی کے بعد ہمیں آزادی ملی ہے۔ پھر بھی ہم نے پانچ میں سے چار صوبوں کے گورنر اور بری، بحری اور فضائی تینوں دفاعی اداروں کے سربراہ انگریز مقرر کیے ہیں لیکن مسلمان عوام کو آزادی کا یقین دلانے کے لیے اور اقوامِ عالم میں پاکستان کو متعارف کرانے کے لیے میں نے اپنے رفقا سے مشورے کے بعد فیصلہ کیا ہے کہ میں خود گورنر جنرل بن جاؤں۔

لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے محمد علی جناح کو دھمکیاں دیں، قائد نے دھمکیوں سے متاثر ہونا کبھی سیکھا ہی نہیں تھا۔ اس نے سفارشات کا ڈول ڈالا، لیکن قائد کوئی بھی فیصلہ سوچ سمجھ کر کرتے تھے اور جب کوئی فیصلہ کر لیتے تھے تو دنیا کی کوئی طاقت اس سے انہیں ہٹا نہیں سکتی تھی۔ اس لیے انھوں نے ماؤنٹ بیٹن کے کسی حربے کو اہمیت نہ دی اور اپنا فیصلہ برقرار رکھا۔

۲۶ جولائی ۱۹۴۷ کو پاکستان کے گورنر جنرل قائدِ اعظم محمد علی جناح نے پاکستان

کی دستور ساز اسمبلی کے قیام کا اعلان کیا جس کے ارکان کی تعداد ۶۹ تھی۔

یکم اگست کو متحدہ ہندوستان کی ریاستوں کے مستقبل کے بارے میں انھوں نے فرمایا "قانونی حیثیت یہ ہے کہ برطانوی اختیارِ اعلیٰ کے اختتام کے ساتھ ہی سب ریاستوں کو مکمل اور لامحدود آزادی پھر سے حاصل ہو جائے گی۔ وہ چاہیں تو کسی ایک مملکت میں شامل ہو جائیں، چاہیں تو آزاد رہیں۔ اگر کوئی ریاست پاکستان میں شامل ہونا چاہے گی تو پاکستان دستور ساز اسمبلی کی مفاہمتی کمیٹی یا پاکستان کے نمائندے ضروری شرائط پر بڑی خوشی سے بات چیت کریں گے۔"

دہلی کے باشندوں کو الوداعی پیغام دیتے ہوئے، اگست کو قائدِ اعظم نے کہا "ہندوستان اور پاکستان کی دونوں آزاد مملکتوں کو از سرِ نو کام کا آغاز کرنا ہے میری خواہش ہے کہ اس تاریخی اور عظیم الشان شہر میں لوگ امن و عافیت سے رہیں۔"

۱۰ اگست کو سابق صوبائی پارلیمنٹ کی عمارت میں پاکستان کی اوّلین دستور ساز اسمبلی کا اجلاس شروع ہوا۔ ۵۲ رکن حاضر تھے۔ قائد لیمٹی شیروانی اور جناح کیپ پہنے ہوئے تھے۔ اُنھوں نے اپنی تقریر میں فرمایا "اِس اسمبلی کو دو اہم کام کرنے ہیں پاکستان کے لیے آئندہ کا نظامِ حکومت تیار کرنا اور پاکستان کی آزاد اور خود مختار وفاقی مجلسِ قانون ساز کی حیثیت سے کام کرنا۔" قائد نے کہا "حکومت کا پہلا فرض نظم و ضبط قائم رکھنا ہے تاکہ لوگوں کے جان و مال، عزت اور مذہبی عقائد کا تحفظ ہو سکے۔ اس وقت جو بڑی لعنتیں مسلط ہیں، ان میں رشوت خوری اور بے ایمانی بھی شامل ہے ہمیں ان کے فولادی پنجے کو توڑنا ہے۔"

بابائے قوم نے اپنی اس تقریر میں "متحدہ ہندوستان" کے تصور کی تباہ کاریوں پر گفتگو کی، پاکستان کو ایک خوشحال مملکت میں تبدیل کرنے کی راہ سجھائی، پاکستان کے باسیوں کو باعزت شہری قرار دیتے ہوئے اُن کی مذہبی آزادی کا ذکر کیا اور

پاکستان کے جھنڈے کو تمام لوگوں کی آزادی اور مساوات کا نشان قرار دیا۔

پاکستان کی عملی تشکیل سے تین دن پہلے، پاکستان کی دستور ساز اسمبلی نے اپنے اجلاس میں محمد علی جناح کے لیے "قائدِ اعظم" کے قومی خطاب کی آئینی توثیق کر دی۔ قوم تو دس سال پہلے اپنے اس عظیم رہنما کو اس کی خدمات کے اعتراف کے طور پر "قائدِ اعظم" کا خطاب دے چکی تھی۔ ۱۹۴۴ء میں گاندھی جی نے بھی اپنے ایک خط میں انہیں اسی طرح مخاطب کیا تھا۔ اب ایک مملکت کے رہنے والوں نے اپنے محسن سربراہ کے لیے یہ خطاب خاص کر دیا تھا۔

۱۵۔ اگست کو ساڑھے نو بجے صبح قائدِ اعظم نے لاہور ہائی کورٹ کے چیف جسٹس سر عبدالرشید کے سامنے پاکستان کے گورنر جنرل کے عہدے کا حلف اُٹھایا۔ پھر اُنہوں نے حکومتِ پاکستان کے مرکزی وزیر سے حلف لیا۔ وزیرِ اعظم لیاقت علی خاں تھے۔ اسی دن قائدِ اعظم کا قوم کے نام خاص پیغام ریڈیو سے نشر کیا گیا۔

"پاکستان کے باشندوں پر زبردست ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔ انہیں اب یہ موقع حاصل ہوا ہے کہ دنیا کو یہ ثابت کر دکھائیں کہ کس طرح مختلف عناصر پر مشتمل ایک قوم آپس میں مل جل کر صلح و آشتی کے ساتھ رہتی ہے۔"

قائدِ اعظم کی قیادت میں پاکستان کی نئی مملکت اپنا کام شروع کر چکی تھی۔ اَن گنت مسائل تھے، نامساعد حالات نے منہ کھول رکھا تھا، بے سروسامانی اپنی جلوہ سامانیوں کے ساتھ موجود تھی۔ سازشوں کے مگرمچھ جبڑے کھول کر سب کچھ ہڑپ کرنے کو تیار نظر آتے تھے۔ تقسیم کے اعلان کے ساتھ ہی بلوے شروع ہو گئے، ٹرینیں لوٹی جانے لگیں مہاجر لُٹ پِٹ کر پاکستان آنا شروع ہو گئے۔ جذبۂ تعمیر اور ایثار کے مناظر نہ ہوتے تو کام نہ چل سکتا۔ قائدِ اعظم کی بے لوث قیادت نہ ہوتی تو جذبۂ تعمیر اور ایثار کا دار زندہ نہ رہتا۔ قائدِ اعظم کی سحر طراز شخصیت نے

جادو جگایا کہ قوم سخت خطرات اور شدائد و مشکلات کو بھول کر رہ نورد ہو گئی۔ پاکستان کی پہلی عید پر قائدِ اعظم نے فرمایا "پاکستان حاصل کرنے کے لیے جو قربانیاں دی گئی ہیں، پاکستان کی تعمیر کے لیے بھی کم از کم اتنی قربانیوں کی ضرورت پیش آئے گی۔"

ستمبر کے آخری ہفتے میں قائدِ اعظم لاہور پہنچے اور مہاجرین کی آمد سے پیدا شدہ انسانی اور انتظامی مسائل کا جائزہ لیا۔ اُنہوں نے مہاجرین کی حالتِ زار دیکھ کر شدتِ کرب کی حالت میں بھارتی حکومت کو مظلوم انسانوں کی اس تباہ حالی کی طرف توجہ دلائی اور دعوت دی کہ اس مسئلے پر قابو پانے کے لیے پاکستان انتقالِ آبادی کی سکیم پر غور کرنے پر تیار ہے لیکن بھارت نے اس تجویز کا کوئی مثبت جواب نہ دیا۔

۲۴ر اکتوبر کو انہوں نے ایک غیر ملکی اخبار نویس کو انٹرویو دیتے ہوئے فرمایا "پاکستان قائم ہو چکا ہے اور ہمیشہ قائم رہے گا۔ ہم ہندوستان کے ساتھ آزاد، مساوی الحیثیت اور خود مختار ملکوں کی طرح ہمیشہ معاہدات کرنے کے لیے تیار ہوں گے۔"

۲۴ر مارچ ۱۹۴۸ء کو بانیٔ پاکستان نے ڈھاکہ یونیورسٹی کے جلسۂ تقسیم اسناد کی صدارت کرتے ہوئے طلبہ سے خطاب کیا "تم سب سے بڑی غلطی کے مرتکب ہو گے، اگر تم نے اس بات کا موقع دیا کہ کوئی پارٹی تمہیں اپنے مقاصد کا آلۂ کار بنائے اور سیاسی مقاصد کے لیے تم سے ناجائز فائدہ اُٹھائے۔" اُنہوں نے فرمایا "آپ کی بھلائی، آپ کے والدین کی بھلائی، بلکہ ساری مملکت کی بھلائی اس میں ہے کہ آپ کی توجہ صرف حصولِ علم کے لیے وقف رہے —— اسی طرح آپ خود کو زندگی کی جنگ کے لیے مسلح کر سکتے ہیں۔"

۱۸۔ اپریل کو اپنے دورۂ سرحد میں اُنہوں نے طلبہ سے خطاب کرتے ہوئے کہا، "آپ کی حکومت کوئی اچھا کام کرے تو اس کی تعریف کیجئے۔ میں صحت مند اور تعمیری تنقید کا خیر مقدم کرتا ہوں۔ آپ بے خوفی سے جب ضرورت ہو، مجھ پر تنقید کیجئے۔ مجھے نکتہ چینی پسند ہے، بشرطیکہ یہ ایماندارانہ اور تعمیری انداز میں کی گئی ہو۔"

سربراہِ پاکستان نے ۱ر مئی ۱۹۴۸ء کو سٹیٹ بنک آف پاکستان کے اجراء کا حکم جاری کیا تاکہ ملک کی بچت اور غیر ملکی تبادلۂ زر کو کنٹرول کیا جا سکے۔ ۱۵ر جون کو انہیں کوئٹہ میونسپل کمیٹی نے استقبالیہ دیا تو اُنہوں نے صوبائی تعصبات کی تغلیط کے لیے اپنے احساسات کو زبان بخشی: "جب میں پاکستان کے کسی طبقے پر صوبائیت کا غلبہ پاتا ہوں تو قدرتی طور پر مجھے دُکھ ہوتا ہے۔ پاکستان کو اس بُرائی سے آزاد ہونا چاہیے۔۔۔ اب ہم سب پاکستانی ہیں —— نہ بلوچی، نہ پٹھان، نہ سندھی، نہ بنگالی، نہ پنجابی۔ ہمیں پاکستانی اور صرف پاکستانی کہلوانے پر فخر ہونا چاہیے۔"

یکم جولائی ۱۹۴۸ء کو گورنر جنرل ہاؤس سے ایک بگھی میں سربراہِ مملکت سٹیٹ بنک آف پاکستان کی عمارت تک گئے۔ تقریب میں مسلم ممالک کے نمائندے، دولتِ مشترکہ کے ارکان، امریکہ اور روس کے سفیر، متعدد ممالک کے نمائندے، دولتِ مشترکہ کے ٹریڈ کمشنرز، مرکزی اور صوبائی وزراء اور معزز شہری شامل تھے۔ قائد نے اپنی تحریری تقریر میں فرمایا: "بنکاری ایک ایسا نیا میدان ہے جس میں ہمارے نوجوان پورا کردار ادا کر سکتے ہیں۔ ہمیں اپنی تقدیر کو خود بنانا ہے اور انسانی مساوات، معاشرتی انصاف، اور اسلامی تصورات کے تحت دنیا کے سامنے ایک مثالی اقتصادی نظام پیش کرنا ہے۔ ہم

ایسا کریں گے تو داعیانِ اسلام کی حیثیت سے اپنا صحیح مقام حاصل کر سکیں گے اور اسی طرح ہم دنیا کو امن دوستی کا وہ پیغام پہنچا سکیں گے جس میں بنی نوعِ انسان کی فلاح و بہبود، خوشحالی اور ترقی کی راہیں کھلی ہوں۔"

قائدِ اعظم محمد علی جناح رحمہ اللہ نے نئی آزاد مملکت کے سربراہ کی حیثیت سے نامساعد حالات کا مقابلہ کیا، قوم کو ترقی کی راہیں سُجھائیں، لوگوں کو بے سروسامانی اور کم مائیگی کی حالت میں خلوص و ایثار سے کام کرنے کے طریقے سکھائے، زندگی کے مختلف شعبوں میں قدم آگے بڑھانے کا حوصلہ پیدا کیا اور پاکستان کو اپنے قدموں پر کھڑا کرنے کے لیے اپنی سعی کی۔

قائدِ اعظم بحیثیت مقرر

قائدِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ ایسے علاقے کے رہنے والے تھے جہاں کی زبان اردو نہیں تھی۔ انہوں نے انگریزی زبان میں تعلیم حاصل کی، بیرسٹری کا امتحان انگلینڈ سے پاس کیا، اس لیے انہیں اُردو سننے، پڑھنے اور بولنے کے مواقع ہی نہ ملے۔ سیاست کے میدان میں ان کا واسطہ انگریز سے تھا۔ نیز وہ مسلمانانِ ہند کی آواز کو بین الاقوامی سطح تک پہنچانا چاہتے تھے تاکہ دنیا کے رہنے والے مسلمانوں کے مطالبات کو جان سکیں اس لیے وہ انگریزی ہی میں خطاب کرتے تھے، مگر انہیں اردو زبان کی اہمیت کا بہت زیادہ احساس تھا۔ انہوں نے اردو کو پاکستان کی قومی زبان قرار دیا اور مختلف موقعوں پر عامۃ المسلمین کی خواہش پر اردو میں خطاب بھی کیا۔ اس کی ایک مثال پہلے ایک باب میں پیش کی جا چکی ہے۔

دنیا کے لیے یہ بات باعثِ استعجاب و حیرت ہے کہ انگریزی میں بات کرنے والا ایک شخص ایسے لوگوں کا سیاسی رہنما کیسے بن گیا جو اُس کی زبان کو سمجھنے کی اہلیت ہی نہیں رکھتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ بہت کم مسلمان اس زمانے میں پڑھے لکھے تھے اس لیے قائدِ اعظم کی تقریر کو سمجھنا عامۃ الناس کے لیے ممکن نہیں ہوتا تھا اور دنیا میں ایسا کبھی نہیں ہوا کہ کسی خطۂ زمین کے رہنے والے اُس آدمی کو اپنا لیڈر مان لیں جو اُن کی زبان نہ بولتا ہو۔ یہ استثنیٰ قائدِ اعظم کی صورت ہی میں ملتا ہے۔

ایک تو قائدِ اعظم مسلمانانِ ہند کی زبان نہیں بولتے تھے۔ دوسرے اُن کے مقابل، کانگرس میں اُردو کے عدیم المثال مقررین موجود تھے۔ مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری، مولانا ابوالکلام آزاد، علامہ عنایت اللہ مشرقی، سروجنی نائیڈو اور جواہر لال نہرو کی مقررانہ اور خطیبانہ صلاحیتوں کو سب لوگ تسلیم کرتے ہیں۔ پھر ان میں اوّل الذکر تینوں عالمِ دین تھے اور ان کے ساتھ جمعیت علمائے ہند اور جماعت احرار کے دوسرے شعلہ بیان مقررین بھی مسلم لیگ اور قائدِ اعظم کے خلاف اپنی زبانوں کو بگٹٹ چھوڑے رہے۔ ان لوگوں نے اپنی مذہبی حیثیت سے بھی خوب فائدہ اُٹھایا۔ گاندھی جی اور کانگرس کے دوسرے بڑوں کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ کو قرآن و حدیث کے حوالوں سے مزین کر کے مسلمانوں کو اسلام کی آواز کے طور پر سناتے تھے لیکن اسلام کے فروغ و نفاذ کی خاطر ایک الگ مملکت کے حصول کے ادعا میں مسلمان قائدِ اعظم کے ہم آواز ہوئے اور "علمائے کرام" کا یہ طبقہ اپنا سا منہ لے کر رہ گیا۔ قائدِ اعظم نے مسلمانانِ ہند کو پاکستان کے حصول کی منزل پر پہنچا کر دم لیا۔

آفریں باد بریں ہمتِ مردانہ تو

قائدِ اعظم کی کامیابی کا راز اصل میں ان کی آواز میں بھی پوشیدہ نہ تھا، ان کے خطیبانہ جوہر بھی عامیوں کو متاثر نہ کر سکتے تھے۔ اصل میں ہندوستان کے مسلمانوں نے مختلف موقعوں پر قائد کو پرکھا اور یہ یقین کر لیا کہ ان میں کردار کی دوعملی نہیں ہے۔ یہ گفتار و کردار میں بُعد کو منافقت سمجھتے ہیں اور کبھی اس جرم کے مرتکب نہیں ہوتے۔ ان کا ظاہر و باطن ایک ہے اس لیے یہ جو بات کہتے ہیں، اگر وہ ہم میں سے بیشتر لوگ نہ بھی سمجھ سکتے ہوں، تو بھی وہ غلط نہیں ہو سکتی۔

اس کے باوجود قائدِ اعظم جہاں بے مثل سیاسی بصیرت رکھتے تھے، انہیں اپنے خدا کی نصرت پر، اپنی نہ بکنے والی شخصیت پر اور عامۃ المسلمین کی جراتِ ایمانی پر

بھرو سا تھا، وہاں وہ ایک بہترین مقرر اور خطیب کی خصوصیات سے بھی بہرہ ور تھے۔ عام مسلمان تو اُن کی انگریزی تقریر کے تراجم سے مستفید ہوتے تھے اور پڑھے لکھوں سے سن کر خوش ہو جاتے تھے کہ اُن کے قائد نے کیا ارشاد فرمایا ہے۔ دنیا کے مدبّرین کے کان بھی ان کی تقریر پر لگے رہتے تھے اور اُن کی جچی تُلی رائے، لگی لپٹی رکھے بغیر اُن کی صاف صاف باتیں، مشکل الفاظ اور دقیق پیرایۂ بیان کے بجائے سمجھ میں آنے والی باتیں جو مطالب و مفاہیم کا سمندر اپنے جلو میں سمیٹے ہوتیں؛ ——— سُن کر ان کے منطقی دلائل سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکتے تھے۔

اچھے مقرر کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے موضوع کے بارے میں پوری معلومات رکھتا ہو، اس کا اندازِ بیان متاثر کن ہو۔ اسے معلوم ہو کہ اس کے سامعین کن صلاحیتوں کے مالک ہیں، اسے سننے والوں کی نفسیات سے آگاہی ہو۔ وسعتِ مطالعہ مقرر کا گہرا رفیق ہوتا ہے، حقائق کا گہرا ادراک نتائج کے استنباط میں اس کے لیے آسانیاں فراہم کرتا ہے۔ اگر وہ سیاستدان ہے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ اسے عالمی نظام ہائے سیاست کا گہرا شعور ہو۔ وہ منطقی دلائل سے سننے والوں کے دلوں میں گھر کرتا جائے۔ مشکل الفاظ اور دور از کار تلمیحات اور استعارے استعمال نہ کرے۔ اعتراضات کا جواب پورے اطمینان سے دے اور جانتا ہو کہ اسے کون سی بات کس انداز میں اپنے سامعین تک پہنچانا ہے تاکہ اثر فوری بھی ہو اور دیرپا بھی۔ اچھا مقرر وہی بات کہتا ہے جس کی سچائی کا خود اسے بھی پوری طرح یقین ہو۔ بصورتِ دیگر وہ کبھی نہ کبھی پٹ جاتا ہے۔

قائدِ اعظم محمد علی جناح رحمہ اللہ تعالیٰ کی تقاریر کا غائرانہ تجزیہ اس نتیجے پہ

پہنچاتا ہے کہ ان کی تقاریر میں ایک اچھے مقرر کی سب خصوصیات بدرجہ اتم موجود ہیں۔ وہ جو کچھ کہتے ہیں، پورے اعتماد سے کہتے ہیں، ان کا لہجہ کبھی معذرت خواہانہ نہیں ہوتا اور وہ اپنی بات کو پوری قوت سے سامعین کے کانوں کے راستے ان کے دلوں تک پہنچاتے ہیں۔ ۲۶ دسمبر ۱۹۴۳ء کو آپ نے فرمایا: "کانگرسی لیڈر خواہ کتنا ہی شور مچائیں کہ کانگرس قومی انجمن ہے، میں کہوں گا یہ غلط ہے، کانگرس ایک ہندو جماعت ہے...... میں پوچھتا ہوں، کیا کانگرس مسلمانوں کی نمائندگی کرتی ہے۔ میں معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ آیا کانگرس پسماندہ اقوام کی ترجمان ہے؟ میں کہتا ہوں کہ آیا کانگرس غیر برہمنوں کی نمائندہ ہے؟ ("نہیں نہیں" کی آوازیں مسلسل آتی رہیں) درحقیقت کانگرس تمام ہندوؤں کی بھی نمائندہ نہیں، اس میں شک نہیں کہ وہ ملک میں سب سے بڑی پارٹی ہے لیکن اس سے زیادہ کچھ نہیں۔"

لاہور کے تاریخی اجلاس (۱۹۴۰ء) کے خطبۂ صدارت میں قائدِ اعظم نے فرمایا: "ایک اندھا آدمی بھی یقین کے ساتھ یہی کہے گا کہ مسلم لیگ کو مسلمانانِ ہند کی پوری تائید حاصل ہے۔ پھر حقیقتِ حال پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی جا رہی ہے؟ یہ جوڑ توڑ کیوں ہو رہے ہیں؟ مسلمانوں کو دبانے کے لیے برطانیہ پر کیوں زور ڈالا جا رہا ہے؟ عدم تعاون کا اعلان کس لیے ہو رہا ہے؟ سول نافرمانی کی دھمکی کیوں دی جا رہی ہے؟؟؟"

۱۹۴۳ء میں مسلم لیگ کے اجلاس کراچی میں قائدِ اعظم نے اسلام کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار ایک سچے مسلمان کی زبان لیکن ایک بڑے مقرر کے لہجے میں یوں کیا: "وہ کون سا رشتہ ہے جس میں منسلک ہونے میں تمام مسلمان جسدِ واحد کی طرح ہیں۔ وہ کون سی چٹان ہے جس پر اُن کی ملت کی عمارت

استوار ہے، وہ کون سا لنگر ہے جس سے اس اُمت کی کشتی حفاظت میں آگئی ہے ——— وہ رشتہ، وہ لنگر وہ چٹان خدا کی کتاب قرآنِ کریم ہے۔ مجھے یقین ہے کہ جوں جوں ہم آگے بڑھتے جائیں گے، ہم میں زیادہ سے زیادہ اتحاد پیدا ہوتا جائے گا۔ ایک خدا، ایک رسولؐ، ایک کتاب اور ایک اُمت۔"

۲۷ر مارچ ۱۹۴۷ء کو قائدِ اعظم نے فرمایا: "ہندوستان نہ تو ایک ملک ہے، نہ ہی اس میں ایک قوم ہے۔ اس میں بیسیوں قومیں ہیں۔ میں یہاں بتا دینا چاہتا ہوں کہ ہمارے ذہنوں میں یہ تصور کس نے راسخ کیا۔ ہندوستان ایک رہے یا تقسیم ہو جائے، آخر انگریزوں کا اس سے کیا واسطہ ہے۔ اس کے متعلق وہ کیوں پریشان ہو رہے ہیں۔ وہ کیوں اُمیدوں کے خلاف حوصلہ افزائی کر کے ملک کی قیادت کے لیے کچھ اور راہیں پیدا کر رہے ہیں۔ انگریز جا رہے ہیں، انہیں یہاں سے جانا ہی پڑے گا لیکن وہ متحدہ ہندوستان کا راگ کیوں الاپ رہے ہیں۔"

قائدِ اعظم کی فکر مثبت ہوتی تھی، وہ جو بات کہتے تھے، اس میں ذرا مبالغہ نہیں ہوتا تھا لیکن جب وہ ضروری سمجھتے تھے تو ان کا جذباتی طرزِ بیان، الفاظ کی نشست و برخاست اور پُرجوش لہجہ لوگوں کے درِ دل پر دستک دیتا تھا۔ ملاحظہ فرمایئے، پاکستان کی حفاظت کے لیے وہ کس طرح تیار ہیں، اور پاکستانیوں کو کس طرح تیار کر رہے ہیں: "خدا کی قسم! جب تک ہمارے دشمن ہمیں اُٹھا کر بحیرۂ عرب میں نہ پھینک دیں، ہم ہار نہ مانیں گے، پاکستان کی حفاظت کے لیے میں تنہا لڑوں گا، جب تک میرے ہاتھوں میں سکت اور میرے جسم میں خون کا ایک قطرہ بھی موجود ہے۔ مجھے آپ سے یہ کہنا ہے کہ اگر کبھی ایسا وقت آ جائے کہ پاکستان کی حفاظت کے لیے جنگ لڑنا پڑے تو کسی

صورت میں ہتھیار نہ ڈالیں اور پہاڑوں، جنگلوں، میدانوں اور دریاؤں میں جنگ جاری رکھیں۔"

ایک اچھا مقرر سامعین کو متاثر کرنے کے لیے اپنے مخالفین کی کمزور اور بودی دلیلوں اور کچی باتوں پر فقرے بازی کرتا ہے اور سننے والوں پر اس کے گہرے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ ۵۔ فروری ۱۹۳۸ء کو مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے سٹریچی ہال میں تقریر کرتے ہوئے قائدِ اعظمؒ نے کہا: "صدر کانگرس سے جب سوال کیا گیا کہ وہ اس عجیب و غریب نظام العمل کی تکمیل کب تک کر سکیں گے تو اُنہوں نے جواب دیا: "میری زندگی ہی میں"۔ اس کے ساتھ فرمایا کہ جب ہم طاقتور ہو جائیں گے تو دستور کا خاتمہ کر دیں گے مگر "نوکِ قلم" سے نہیں ——— لیکن سوال یہ ہے کہ آخر وہ اس "نوکِ قلم" کو جو اُن کے ہاتھ میں ہے، کب تک یونہی پکڑے رہیں گے۔"

۱۱ر اپریل ۱۹۴۱ء کو بابو راجندر پرشاد نے تجویزِ پاکستان کے متعلق کہا کہ "کانگرس کی مجلسِ عاملہ نے اس پر غور نہیں کیا۔" قائدِ اعظم نے مسلم لیگ کے اجلاسِ مدراس میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ کانگرس کا ہر لیڈر پاکستان پر بحث کر رہا ہے، بیانات آ چکے ہیں، پمفلٹ لکھے گئے ہیں۔ ایسے میں بابو راجندر پرشاد کا یہ کہنا کہ کانگرس نے اس پر غور نہیں کیا، کہاں تک درست ہو سکتا ہے۔ آخر میں قائد نے کہا "میں بابو صاحب سے عرض کرتا ہوں کہ جناب کی مجلسِ عاملہ نے اس پر بحث نہیں کی تو اسے کہیے کہ اب کرے۔"

آل انڈیا مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے اجلاس (۲۹ر دسمبر ۱۹۴۱ء) کی صدارت قائدِ اعظم نے فرمائی۔ اِن دنوں گاندھی جی باردولی میں رہائش پذیر تھے۔ واردھا، سیواگاؤں اور باردولی گاندھی جی کی اقامت گاہیں تھیں۔ -

قائدِ اعظم نے اپنی تقریر میں فرمایا "آپ جانتے ہیں اور دنیا جانتی ہے کہ آل انڈیا مسلم لیگ ہی مسلمانوں کی موثق نمائندہ جماعت ہے۔ لیکن باردولی ابھی اندھیرے میں ہے۔ میں ناگپور میں جو واردھا اور سیواگرام کے قریب ہے، دعا کرتا ہوں کہ خداوند تعالیٰ باردولی میں بھی کچھ روشنی پہنچا دے۔"

۱۵ نومبر ۱۹۴۲ء کو گاندھی جی کے تذکرے میں محمد علی جناحؒ نے فرمایا "جب یہ سارے حربے ناکام ہو چکے تو انہیں انگریزوں پر اس قدر غصہ آیا کہ انہیں ہندوستان سے نکل جانے کو کہہ دیا۔ کیوں؟ وجہ ظاہر ہے۔ ان کا مقصد وہ نہیں ہوتا جو یہ کہتے ہیں۔ اور جو کچھ ان کا مقصد ہوتا ہے وہ یہ کہتے نہیں۔" ایک دفعہ طلبہ سے خطاب کرتے ہوئے قائد نے کہا "یہ مارچ کا مہینہ ہے تو عزیزو! مارچ آن!" (آگے بڑھو)، سائمن کمیشن زیرِ بحث تھا تو آپ نے فرمایا "جلیانوالہ کا حادثہ ہماری جسمانی قربانی تھی اور سائمن کمیشن کا تقرر ہماری روح کی موت ہے۔"

اچھا خطیب طنز و مزاح کے تیر اس انداز سے چھوڑتا ہے کہ دشمن زخمی ہوئے بغیر نہیں رہتے اور دوست اس مہارت پر عش عش کر اٹھتے ہیں۔ قائدِ اعظم کی تقریروں میں طنز و مزاح کا عنصر نہایت لطیف ہوتا ہے اور اس میں کہیں اور کبھی ابتذال پیدا نہیں ہوتا۔ لیکن اس طنزِ لطیف کی ضرب ہمیشہ کاری ہوتی ہے اور دل و جگر تک اتر جاتی ہے۔ ۱۰ مارچ ۱۹۴۱ء کو طلبہ سے خطاب کرتے ہوئے آپ نے کہا "ایک مرکزی حکومت بنا کر اور قرعہ اندازی کے صندوقچے میں اکثریت حاصل کر کے ہندو یہ سمجھتے ہیں کہ وہ ملک کو حملوں سے محفوظ بنا سکیں گے۔ ... چرخے چلانے سے نہ آزادی ملتی ہے، نہ برقرار رکھی جا سکتی ہے۔"

تجویزِ پاکستان پر ٹائمز لندن جیسے ثقہ اخبار نے بھی ایسا مقالہ لکھا جو ہندوؤں

کے نقطۂ نظر سے قریب تھا تو اپریل ۱۹۴۱ء میں قائدِ اعظمؒ نے اپنی ایک تقریر میں کہا "...... برطانوی اخبارات کو بھی گمراہ کیا گیا۔ چنانچہ ٹائمز جیسے موقر اور ہوشمند اخبار نے یکم اپریل کو ایک مقالہ لکھ ڈالا جس سے اس کے بیوقوف بنائے جانے کی حقیقت ظاہر تھی۔ مگر کیوں نہ ہو مغربی روایات کے مطابق یہ دن (یکم اپریل) تو یوم حماقت ہی ہے۔"

فضل الحق وزیرِ اعظم بنگال نے مسلم لیگ سے غداری کی اور حکومتِ برطانیہ سے تعاون کیا۔ نواب ڈھاکہ بھی فضل الحق کے ساتھ مل گئے تو قائدِ اعظم نے اپنی ۲۹ دسمبر ۱۹۴۱ء کی تقریر میں فرمایا "میں فضل الحق صاحب کو کرسمس کے تحفے کے طور پر لارڈ لنلتھگو کی خدمت میں پیش کرتا ہوں اور نواب ڈھاکہ کو گورنر بنگال کی خدمت میں ہدیۃً پیش کرتا ہوں۔" ۱۵ فروری ۱۹۴۲ء کو قائد نے پھر فضل الحق کا ذکر کیا "مسلم لیگ کے تیسرے یعنی بنگال کے وزیرِ اعظم نے —— جس کی مثال کی تخلیق سے دنیا قاصر ہے —— اس امر کے لیے مہلت مانگی کہ میں ڈیفنس کونسل کی ممبری سے استعفیٰ دینے یا نہ دینے پر غور کر لوں۔ مہلت طلب کرنا ان کی منظورِ نظر چالبازی ہے جس سے ہر شخص واقف ہے۔ جب کوئی مشکل آ پڑے تو مسٹر فضل الحق یا تو مہلت مانگتے ہیں یا بیمار ہو جاتے ہیں۔"

۲۱ نومبر ۱۹۴۵ء کو پشاور میں تقریر کرتے ہوئے انہوں نے گاندھی جی پر یوں چوٹ کی "ایک اچھا جرنیل اس وقت تک حملہ نہیں کرتا جب تک اسے فتح کا یقین نہ ہو۔ یا کم از کم اسے عزت مندانہ شکست کا یقین ضرور ہونا چاہیے۔ میں اس میں یقین نہیں رکھتا کہ پہلے لوگوں کو گولیاں کھانے اور جیل جانے پر آمادہ کر لوں اور اس کے بعد جیل سے معصومانہ انداز میں یہ اعلان کر دوں کہ اس معاملے میں میرا کوئی ہاتھ نہیں اور جیل سے باہر آ کر تو لوگوں کی قربانیوں کا

کریڈٹ حاصل کرنے کی کوشش کروں۔"

اچھے مقرر کے لیے ضروری ہے کہ اسے انتخابِ الفاظ کا سلیقہ ہو، اسے معلوم ہو کہ ایک عام سی حقیقت عام الفاظ میں بیان کی جائے تو قاری یا سامع متاثر نہیں ہوتا اور اسے الفاظ اور طرزِ پیشکش سے سجا کر کہا جائے تو وہ سننے اور پڑھنے والے کے دل میں کھُب جاتی ہے۔ ۱۰ مارچ ۱۹۴۱ء کی تقریر میں قائدِ اعظم نے بتایا "سال گذشتہ گاندھی جی دہلی میں مجھ سے ملنے آئے تھے، وہ مسلم ہندوستان سے ملنے آئے تھے کیونکہ میں مسلم ہندوستان کے نمائندے کے سوا کچھ اور نہیں ہوں۔"

انتخابات قریب آ رہے تھے۔ ۱۲ اگست ۱۹۴۵ء کو قائدِ اعظم نے قوم سے پہلی بار چندے کی اپیل کی لیکن اس کے لیے بھی چندے وغیرہ کے الفاظ استعمال نہیں کیے۔ اُنہوں نے فرمایا۔ "میں آپ سے جو کچھ کہنا چاہتا ہوں، وہ تھوڑا سا ایثار ہے۔ کسی پر کوئی دباؤ نہیں ڈالا جائے گا، کوئی جبر نہیں کیا جائے گا۔ بالفاظ دیگر یہ ایک ایسی جنگ ہے جو صرف چاندی کی گولیوں سے لڑی جاتی ہے۔ مجھے آپ چاندی کی گولیاں دیجیے، میں آپ کو کامیاب اختتام تک پہنچا دوں گا۔" دنیا نے دیکھا کہ قائدِ اعظمؒ کے حکم پر اسی دن بمبئی کے مسلمانوں نے تین لاکھ گیارہ ہزار روپے کی رقم پیش کی اور قائدِ اعظم نے انتخابات کے اس مرحلے کو اپنے وعدے کے مطابق کامیاب اختتام تک پہنچا کر دکھایا۔

بہترین مقرر کی خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ وہ مجمع کی نفسیات سمجھتا ہو، اسے علم ہو کہ اس کے سامعین کے لیے کون سی بات زیادہ مؤثر کن ہوگی۔ قائدِ اعظم مسلمانانِ ہند کی اُمنگوں سے واقف تھے۔ انہیں علم تھا کہ عامۃ المسلمین اپنی اقتصادی پس ماندگی کا بھی خاص احساس رکھتے ہیں، چنانچہ وہ اپنی تقریروں میں جہاں ان کے دلوں کی آواز اسلام کا ذکر کیا کرتے تھے، وہاں ان کی پس ماندگی

کے احساس کو گہرا کرتے ہوئے ان میں ایک الگ مملکت کے حصول کی لگن پیدا کرتے تھے۔ مسلم لیگ کے اجلاس مدراس میں اپریل ۱۹۴۱ء میں قائدِ اعظم علیہ الرحمہ نے فرمایا۔ "ہم اپنے اس عظیم الشان وطن میں دوسری اقوام کی نسبت اقتصادی اور معاشرتی ترقی کے لحاظ سے قطعاً پسماندہ رہے ہیں۔ صرف دو صنعتیں ایسی ہیں کہ ان میں مسلمانوں نے اپنے لیے کوئی جگہ بنائی ہے۔ یعنی کھالوں اور چمڑے کا کاروبار یا بیڑی بنانا۔ کیا آپ صرف بیڑی بنانے والا اور چمڑے والا ہی رہنا چاہتے ہیں یا اپنے ملک کی صنعتی اور تجارتی نشوونما میں دادِ عمل دینا پسند کرتے ہیں۔"

جن اُمیدواروں کو انتخابات کے لیے پارٹی ٹکٹ نہیں ملتا، ان میں سے کئی دوسروں کے ساتھ جا ملتے ہیں۔ اور اگر پارٹی طاقتور ہو، عوام اس پارٹی کو پسند کرتے ہوں تو پھر ان غداروں کا انجام عبرت ناک بھی ہو سکتا ہے۔ ۱۹۴۵ء میں انتخابات کا مسئلہ آیا تو پشاور میں تقریر کرتے ہوئے قائدِ اعظمؒ نے ۲۱ نومبر ۱۹۴۵ء کو فرمایا۔ "جن لوگوں کو انتخابات میں حصّہ لینے کے لیے مسلم لیگ بورڈ کی طرف سے ٹکٹ نہیں ملے۔ اگر انہوں نے دس کروڑ مسلمانوں سے غداری کی تو وہ خود بھی وزیرِ اعظم یا وزیر بننے کے لیے زندہ نہیں رہ سکیں گے۔"

اچھے مقرر کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے موقف کے حق میں منطقی دلائل کو متاثر کن انداز میں سامعین کے سامنے پیش کرے۔ قائدِ اعظم نے تجویزِ پاکستان کے متعلق کہا کہ کانگرس کی مجلسِ عاملہ نے اس پر غور نہیں کیا کیونکہ مسٹر جناح نے انہیں اس پر بحث کرنے کو نہیں کہا۔ قائدِ اعظم نے پشاور ہی کی تقریر میں اس کا ذکر کرتے ہوئے پوچھا۔ "کیا آپ کو یقین ہے کہ کانگرس کی مجلسِ عاملہ نے اس پر بحث نہیں کی ہوگی! یہ چھلاوہ، یہ سایہ تو مارچ

۱۹۴۰ء سے ان کے پیچھے پڑا ہوا ہے۔ کیا یہ ہے کانگرس کے سچ بولنے کا معیار؟
امر واقعہ یہ ہے کہ کانگرس کے ہر ایک لیڈر اور ان کے سردار مسٹر گاندھی نے پاکستان پر بحث کی ہے، بیانات شائع کیے ہیں، دفتروں کے دفتر لکھے ہیں اور خود بابو راجندر پرشاد نے ایک مختصر سا رسالہ شائع کیا ہے اور اس میں پاکستان پر اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ ان حقائق کے پیش نظر ان کا یہ کہنا کہ کانگرس کی مجلس عاملہ نے اس پر بحث نہیں کی کیونکہ مسٹر جناح نے ہمیں بحث کی دعوت نہیں دی، کہاں تک درست ہو سکتا ہے۔ میں بابو صاحب سے عرض کرتا ہوں کہ جناب کی مجلس عاملہ نے اس پر بحث نہیں کی تو اسے کہیے کہ اب کرے۔ بشرطیکہ کانگرسی قیادت میں سیاسی دانائی اور ملکی تدبر ابھی کچھ باقی ہے۔"

۹ نومبر ۱۹۴۲ء کو قائدِ اعظم نے مسلم لیگ کونسل کے اجلاس سے کہا "ہمارے امریکی دوست امریکہ جا سکتے ہیں، ہمارے برطانوی دوست انگلستان جا سکتے ہیں لیکن میں کہاں جاؤں گا؟ پس اس سرزمین کی حفاظت وصیانت سے تعلق خاطر مجھے سب سے زیادہ عزیز ہے۔"

قائدِ اعظم کی تقریروں کی یہ خصوصیت اظہر من الشمس ہے کہ وہ اپنی ہر بات دلیل سے کرتے تھے۔ اس کی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ وہ بہت اچھے وکیل بھی تھے۔ لیکن ایک اچھے مقرر کے لیے یہ خوبی بہر حال نہایت اہم ہوتی ہے۔ مارچ ۱۹۴۰ء کے لاہور کے تاریخی اجلاس میں انہوں نے کانگرس اور مسلم لیگ کے سب سے اہم مسئلے کو نہایت سادہ انداز میں حل کر دیا۔ انہوں نے فرمایا "میں کئی بار کہہ چکا ہوں اور پھر کہتا ہوں کہ جناب گاندھی دیانتداری سے تسلیم کر لیں کہ کانگرس ہندو جماعت ہے اور وہ صرف ہندوؤں کے نمائندہ ہیں۔ جناب گاندھی کیوں یہ بات فخر سے نہیں کہتے کہ میں ہندو ہوں اور کانگرس کو ہندوؤں کی حمایت

حاصل ہے۔ مجھے تو یہ کہنے میں شرم محسوس نہیں ہوتی کہ میں مسلمان ہوں۔" ۱۱ مارچ ۱۹۴۱ء کی تقریر میں انہوں نے کہا "گزشتہ برس گاندھی جی دہلی میں مجھے ملنے آئے تھے۔ وہ مسلم ہندوستان سے ملنے آئے تھے کیونکہ میں مسلم ہندوستان کے نمائندے کے سوا کچھ اور نہیں ہوں۔"

عموماً یہ ہوتا ہے کہ جو کچھ مقرر کہنا چاہتا ہے، وہ پہلے سے سامعین کے علم میں ہوتا ہے۔ انہیں اسلوبِ بیان متاثر کرتا ہے۔ یہ کہ وہی بات مقرر کس نرالے انداز اور خوبصورت ڈھب سے پیش کرتا ہے۔ جس قدر اندازِ بیان بہتر ہوگا، اسی قدر لوگ زیادہ قائل ہوں گے۔ گاندھی جی نے ۲ مارچ ۱۹۴۰ء کو کہا، "میرے لیے ہندو، مسلمان، پارسی اور ہریجن سب برابر ہیں۔ قائدِ اعظم کا ذکر کرتے وقت میں سطحی باتیں نہیں کرتا۔ وہ میرے بھائی ہیں۔" قائدِ اعظم نے ان کی بات کا ذکر کر کے لاہور کے تاریخی اجلاس ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء میں اس کا تجزیہ یوں کیا۔ "فرق صرف یہ ہے کہ بھائی گاندھی کے تین ووٹ ہیں اور میرا صرف ایک ووٹ۔" یعنی یہ اپنے "مسلمان بھائیوں" کو ہندوستان میں اس طرح رکھنا چاہتے ہیں کہ وہ تین کے مقابلے میں ایک ہوں اور ان کی کسی بات کی شنوائی نہ ہو۔

بنگال کے وزیرِ اعظم فضل الحق کی مسلم لیگ سے غداری کے حوالے سے قائدِ اعظم نے ۱۵ فروری ۱۹۴۲ء کو کہا "مسلم لیگ کا وجود وزیروں اور وزارتوں کے لیے نہیں بلکہ اس کے خلاف وزیروں اور وزارتوں کی بقا کا انحصار مسلم لیگ کی خوشنودی پر ہے۔"

۴ اپریل ۱۹۴۲ء کو الہ آباد میں مسلم لیگ کے اجلاس کی صدارت کرتے ہوئے انہوں نے کرپس مشن کے حوالے سے مجلسِ آئین ساز کا ذکر کیا اور کہا "جب مسٹر گاندھی اس مجلس میں آئیں گے تو انہیں کامل یقین ہو

تاکہ ہمیں ایک ایسا آئین ضرور مل جائے گا جو ایک آل انڈیا یونین کے لیے سارے ہندوستان کی ایک متحدہ ریاست کے لیے ہوگا۔ جب یہ سب کچھ ہو چکے گا تو علیحدگی پسند صوبے یا صوبوں سے یوں خطاب کیا جائے گا۔ "سنو سنو! گھبراؤ نہیں۔ تمہیں پھانسی پر لٹکائے جانے سے پہلے ایک موقع دیا جاتا ہے۔"

قائدِ اعظم ان معنوں میں عوامی مقرر نہیں تھے کہ کسی ایک موضوع پر تقریر نہ کریں۔ اِدھر اُدھر کی کہیں، لطیفے سنائیں، شعروں سے اپنی تقریر کو خوبصورت بنائیں، ایک تقریر میں بیسیوں مضمون بیان کر جائیں اور آخر میں سامع کو کچھ پتا نہ چلے کہ وہ ڈیڑھ دو ڈھائی گھنٹے کی تقریر میں کیا سُنتا رہا۔ وہ اپنی تقریر میں سنجیدہ سیاسی موضوع پر بات کرتے، ایک ایک نکتے کو لیتے اور بحث کرتے چلے جاتے۔ مثال کے طور پر گاندھی جی نے پاکستان کی تجویز پر کہا کہ یہ ہندوستان کو چیرنے پھاڑنے کے برابر ہے۔ قائدِ اعظم نے ۲ مارچ ۱۹۴۱ء کے خطبے میں فرمایا: "میں پوچھتا ہوں کہ ہندوستان کو کب ایک وحدانی حیثیت حاصل تھی؟ کبھی نہیں۔ پھر یہ چیرنے پھاڑنے کے الفاظ کا استعمال بے معنی ہے۔ مگر مہاتما گاندھی کے چیلے مسٹر راج گوپال اچاریہ تو ان سے بھی ایک قدم آگے نکل گئے ہیں کہ پاکستان بنانا کسی بچے کو دو ٹکڑے کر ڈالنے کے مترادف ہے۔ میں ان سے عرض کروں گا کہ ذرا دیکھو تو بچہ کہاں ہے۔ ہاں اس کے معنی صرف یہ ہو سکتے ہیں کہ اب اُن کے پاس کوئی پُراثر دلیل نہیں رہی اور وہ اپنے دعوے کے ثبوت پیش کرنے سے مایوس ہو چکے ہیں۔ اس کے علاوہ ہمیں بتایا جاتا ہے کہ یہ تو خود اسلام کے بھی خلاف ہے۔"

ہندوستان میں کانگرس اور مسلم لیگ کے اختلاف کو بانیٔ پاکستان نے سیدھے صاف انداز میں یوں بیان فرمایا: "ہندو لیڈر اور ہندوؤں کے نمائندے کی حیثیت سے آؤ اور مجھ سے باتیں کرو کہ میں مسلمانوں کے خیالات کی ترجمانی کروں۔ میں کانگرس کے متعلق بس اسی قدر کہنا چاہتا ہوں۔"

گاندھی جی نے آزادیٔ کامل کے لیے ۱۳ نکات مرتب کیے۔ قائدِ اعظمؒ نے ۹ دسمبر ۱۹۴۱ء کے آل انڈیا مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے اجلاس میں ان کا تجزیہ یوں کیا: "مسٹر گاندھی فرماتے ہیں کہ پہلی شق فرقہ وارانہ اتحاد ہے۔" فرقہ وار اتحاد" سے ان کا مقصد یہ ہے کہ مسلمان اطاعت قبول کر لیں اور اپنے قتل نامے پر خود دستخط کر دیں۔ اس کے بعد اچھوت پن کو دور کرنے کا نمبر آتا ہے۔ پھر امتناعِ مسکرات، کھادی، دیہاتی صنعتیں، دیہات کی صفائی، ابتدائی تعلیم تعلیم بالغاں، تعلیم و ترقیٔ نسواں، تعلیم صحت و تندرستی، راشٹر سبھا کا پروپیگنڈا زبان کی خدمت اور اقتصادی مساوات کس کے ساتھ؟ انگریزوں کے ساتھ! مسلمانوں کے ساتھ نہیں؟ میں ایک اہم ترمیم پیش کرتا ہوں۔ وہ یہ کہ کانگرس پاکستان کو قبول کرلے اور اس طرح تیرہ کو چودہ نکات بنا دیا جائے۔ اس سے سمجھوتہ آسان ہو جائے گا۔ جہاں تک زبان کا تعلق ہے، زبان کی خدمت اور اقتصادی مساوات کے معاملے میں ہم کانگرس کے ساتھ کوئی جھگڑا نہیں کریں گے۔ ہم اپنے علاقوں میں خود مختارانہ حیثیت سے جو زبان چاہیں گے، بولیں گے۔ ہندوؤں کو اختیار ہے، جو زبان چاہیں بولیں۔"

قائدِ اعظم علیہ الرحمہ ہمیشہ اپنے موقف کو پورے اعتماد کے ساتھ پیش کرتے تھے۔ سامعین پہ اثر اسی وقت ہوتا ہے جب بولنے والا اپنے موقف کی سچائی پر خود یقین رکھتا ہو اور اسے پورے اعتماد کے ساتھ لوگوں کے سامنے

رکھے۔ قائدِ اعظم کی ہر تقریر اس اعتماد کا مظہر نظر آتی ہے۔ ایک مثال ملاحظہ ہو: مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن بلوچستان کے اجلاس کوئٹہ میں اکتوبر ۱۹۴۵ء میں انہوں نے فرمایا۔ "پنجاب میں ایک جماعت خفیہ طور پر ہمارے خلاف کوشاں ہے۔ مجھے یہ کہنے میں کوئی باک نہیں کہ پنجاب کا گورنر سر گلانسی یونینسٹ پارٹی کی حمایت میں مسلم لیگ کو شکست دینے کی پوری کوشش کرے گا۔ اس کی طرف سے ہر وہ کارروائی کی جائے گی جس سے مسلم لیگ کو ناکام بنایا جا سکے۔ میں بہانگِ دہل اعلان کرتا ہوں کہ ہم نوکر شاہی کی پروردہ یونینسٹ پارٹی کی طاقت کو پنجاب میں توڑ کر رکھ دیں گے اور ملتِ اسلامیہ فتح و ظفر کا پرچم اڑاتی ہوئی مخالفتوں کے گرداب سے ابھرے گی۔"

قائدِ اعظمؒ اپنے موقف کی صداقت کی بنا پر اپنی تقریروں میں کئی بار چیلنج کے لہجے میں بات کرتے ہیں۔ ۱۵۔ نومبر ۱۹۴۲ء کی تقریر میں ان کی تحدّی کا یہ انداز دیکھیے۔ "پھر مسٹر گاندھی پر ایک غیر معمولی نظریے کا القا ہوا اور وہ یہ تھا کہ برطانوی حکومت ہندوستان چھوڑ دے۔ اگر انگریز کل ہی ایسا کریں تو مجھے بڑی مسرت ہوگی ——— پھر ہم بخوبی ان سے نمٹ لیں گے۔" ایک تقریر میں انہوں نے فرمایا "مسلمان جھکنے کے لیے پیدا نہیں ہوا۔ اگر اس کو جھکانے کی کوشش کی گئی تو یہ بابر بن جائے گا، ٹیپو کی شکل میں نمودار ہوگا۔ یہ مر جائے گا لیکن محکومی کی زندگی قبول نہیں کرے گا۔ یہ اس کی فطرت کے خلاف ہے کہ غلام کا غلام بنے۔"

۵ جون ۱۹۴۷ء کو انہوں نے نئی دہلی میں تقریر کرتے ہوئے حکومتِ برطانیہ کو فلسطین، لیبیا، شام اور انڈونیشیا میں کیے جانے والے ظلم پر تنبیہ کی۔ اور کہا۔ "تمہیں یہ سمجھ لینا چاہیے کہ تم کمزوروں اور مسلمانوں کے جذبات کو مجروح کر رہے ہو اور ان جذبات کا فروغ خطرناک ہوگا۔"

یوں، بلاشبہ قائدِ اعظم محمد علی جناح علیہ الرحمہ دنیا میں ایک بڑے سیاستدان، بہترین مدبر اور نامور وکیل کے ساتھ ساتھ بہترین مقرر کے طور پر مشہور ہوئے، ان کی تقریریں سماعت کے راستے دلوں میں گھر کر جاتی تھیں۔

قائدِ اعظمؒ کی نظر میں اقتصادی ترقی کی اہمیت

پاکستان کی اقتصادیات کے حوالے سے مخالفین یہ پروپیگنڈا کرتے تھے کہ یہ چند دن بھی برقرار نہ رہ سکے گا لیکن ۲۷ مارچ ۱۹۴۷ء کو بمبئی چیمبر آف کامرس بمبئی کے ایک اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے قائدِ اعظم نے معاشرتی عدل و انصاف اور مساوی بنیادوں پر قائم اقتصادی ڈھانچے کا ذکر کرتے ہوئے پاکستان کے متعلق اس قسم کے پروپیگنڈے کی تغلیط کی اور فرمایا کہ اس لحاظ سے پاکستان کا کسی بحران سے دوچار ہونا غیر ممکن ہے۔

اپنی اسی تقریر میں بابائے قوم نے فرمایا: "میں مسلمانوں کی تعلیمی اقتصادی اور معاشرتی ترقی کے لیے بہت سے منصوبوں پر غور کر رہا ہوں۔ میرے خیال میں مسلم تاجروں کی بہتری کا سوائے اس کے، کوئی راستہ نہیں کہ وہ ہر ممکن طریقے سے اقتصادی تنظیم پیدا کریں..... مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لیے صنعتی اور تعلیمی ادارے کھولنے چاہییں۔ ہمیں اپنی قوم کی تنظیم کرنا ہوگی۔"

پاکستان کے گورنر جنرل قائدِ اعظم محمد علی جناح علیہ الرحمہ نے ۲۷ اپریل ۱۹۴۸ء کو کراچی چیمبر آف کامرس کے سپاسنامے کا جواب دیتے ہوئے صنعت اور زراعت کا ذکر فرمایا: "جناب صدر! آپ نے پاکستان کی صنعتی پالیسی کا سرسری طور پر ذکر کیا ہے، یہ اس قدر اہم مسئلہ ہے کہ اس پر تجار طبقے کے غور و خوض کی ضرورت ہے۔ حکومت پاکستان نے اپنے زیرِ اہتمام

اسلحہ، گولہ بارود، ریل کے ڈبوں اور تار، وائرلیس کے آلات بنانے کا فیصلہ کیا ہے۔ اس کے علاوہ تمام صنعتیں پرائیویٹ سرمائے کے لیے ہوں گی۔ پاکستان ایشیائی ممالک میں زرعی اعتبار سے سب سے زیادہ ترقی یافتہ ہے۔ میری خواہش ہے کہ پاکستان اپنی زرعی دولت سے فائدہ اُٹھا کر دنیائے تجارت کا علمبردار بھی بن جائے۔"

معاشیات اور تجارت کی کسی قوم کی زندگی کے لیے اہمیت بیان فرماتے ہوئے قائدِ اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ نے تجارت پیشہ اصحاب پر زور دیا کہ وہ جائز کمائی کی اہمیت کو کبھی فراموش نہ کریں۔ آپ نے فرمایا: "مجھے یقین ہے کہ پاکستان میں تجار اور سوداگروں کا ہمیشہ خیر مقدم ہوگا اور وہ اپنی آمدنی کے ساتھ ساتھ مساوات اور جائز کمائی کو کبھی نہ بھولیں گے۔" یہ کہتے ہوئے قائد نے بعض ضروریاتِ زندگی کی قیمت بڑھ جانے پر سخت اضطراب اور تشویش کا اظہار فرمایا: "پاکستان میں چند ضروریاتِ زندگی کی قیمتوں میں اضافہ ہو جانے کی وجہ سے حکومت کو بڑی تشویش ہے اور وہ ان میں کمی کرنے کے طریقوں پر غور کر رہی ہے۔"

اس تقریر کے آخر میں انہوں نے فرمایا: "پاکستان کی معاشیات اعلیٰ تجارت کے لیے ایک مؤثر آلہ کار ثابت ہوگی۔ میں آپ لوگوں کو یقین دلاتا ہوں کہ پاکستان کے مال کی شہرت قائم کرنے کے لیے حکومت پاکستان ہر ممکن کوشش کرے گی۔ میری خواہش ہے کہ پاکستان دنیا میں اپنے مال کی خوبی اور عمدگی میں مستند ہو جائے۔" آپ نے کہا "مجھے یقین ہے کہ پاکستان کی تجارت کاروباری دیانت کے اعلیٰ معیار قائم کرنے کا بہت مؤثر ذریعہ ثابت ہوگی۔ اگر ہم اپنے ملک کی چیزوں کا نام پیدا کرنا چاہتے ہیں تو اس کی ابتدا ابھی سے

ہونی چاہیئے۔"

ولیکا ٹیکسٹائل ملز کا افتتاح کرتے ہوئے ۲۶ ستمبر ۱۹۴۸ء کو قائد نے فرمایا:

" اگر پاکستان کو اپنی وسعت، اپنی آبادی اور اپنے وسائل کے مطابق دنیا میں کوئی شایانِ شان مقام حاصل کرنا ہے تو اسے چاہیئے کہ زراعت کے ساتھ ساتھ اپنے صنعتی رجحانات کو بھی فروغ دے اور اپنی اقتصادی زندگی میں صنعتی رجحانات پیدا کرے۔ سرِدست پاکستان ایک زرعی ملک ہے، مصنوعات کے لیے باہر والوں کا محتاج ہے۔ اگر ہم اپنی مملکت کو صنعتی بنیادوں پر استوار کرنا شروع کر دیں گے نہ صرف اپنے ہزاروں باشندوں کو روزی مہیا کر سکیں گے بلکہ اپنے وطن کے وسائل میں بھی اضافہ کریں گے۔ صنعت و حرفت کے کام کی بہت سی خام اشیا ہمیں قدرت نے عطا کر رکھی ہیں۔ اب یہ ہمارا کام ہے کہ انہیں مملکت اور اس کے باشندوں کی فلاح و بہبود کے لیے کام میں لائیں۔"

صنعت کی ترقی کی بات کرتے ہوئے قائد نے یاد دلایا کہ کارکنوں، کاریگروں اور مزدوروں کی آسائش اور اطمینان اس میں بنیادی کردار ادا کرتا ہے۔ آپ نے محولہ بالا تقریر میں فرمایا: " مجھے اُمید ہے کہ آپ نے اپنے کارخانے کا پلان تیار کرتے وقت کاریگروں کے لیے مناسب رہائشی مکانات اور دوسری آسائشوں کا خاص طور پر اہتمام کیا ہوگا کیونکہ کوئی صنعت اس وقت تک حقیقتاً فروغ پذیر نہیں ہو سکتی، جب تک اس کے مزدور مطمئن نہ ہوں۔"

۲۔ فروری ۱۹۴۸ء کو بنگال آئل ملز کا افتتاح کرتے ہوئے قائداعظم نے فرمایا: " ہر نئی مل اور کارخانہ ہمارے ملک کے اقتصادی استحکام اور عوام کی خوشحالی کی راہ میں ایک قدم ہے۔"

بانیٔ پاکستان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کاشتکاروں اور سرکاری ملازمین کے ساتھ ساتھ تاجروں اور کاروباری لوگوں کو پاکستان کی ترقی کے لیے ضروری

قرار دیا۔ ۲۷ اپریل ۱۹۴۸ء کو انہوں نے ایوانِ تجارت کراچی سے جو خطاب فرمایا، اس میں کہا: " تجارت اور کاروبار، قومی زندگی میں حیات بخش خون کے مانند ہوتے ہیں۔ میرے نزدیک تاجروں کے بغیر پاکستان کا تصور اسی طرح ناممکن ہے جیسے کاشتکاروں اور سرکاری ملازمین کے بغیر۔ مجھے یقین ہے کہ پاکستان میں تاجروں اور کاروباری لوگوں کو خوش آمدید کہا جائے گا اور یہ لوگ بھی اپنے فائدے کے ساتھ ساتھ ہر شخص سے، خواہ وہ بڑا ہو یا چھوٹا، ایمانداری کا برتاؤ کر کے اپنی معاشرتی ذمہ داری کو فراموش نہیں کریں گے۔"

قائدِ اعظم نے پاکستان کی پہلی سالگرہ پر ۱۴ اگست ۱۹۴۸ء کو قوم کے نام اپنے پیغام میں فرمایا: " ہمارے دشمنوں کو یہ اُمید تھی کہ ان کا دلی منشا اقتصادی چالبازیوں سے پورا ہو جائے گا۔ ان تمام دلائل و براہین سے کام لے کر جو بغض و عداوت کی بنا پر تراشی جا سکتی ہیں، پیشگوئیاں کی جانے لگیں کہ پاکستان دیوالیہ ہو جائے گا اور دشمن کی شمشیر و آتش جو مقصد حاصل نہ کر سکی، وہ اس مملکت کی مالی تباہی سے حاصل ہو جائے گی۔ مگر ہماری برائی چاہنے والے ان نجومیوں کی تمام پیشگوئیاں جھوٹی ثابت ہوئیں۔ ہماری تجارت کا توازن ہمارے حق میں ہے اور اقتصادی میدان میں بھی مجموعی حیثیت سے باقاعدہ ترقی ہو رہی ہے۔"

مصنّف کی دیگر تصانیف

ورفعنا لک ذکرک	(پہلا مجموعۂ نعت)	مطبوعہ
حدیثِ شوق	(دوسرا مجموعۂ نعت)	〃
حق دی تائید	(نعت و منقبت)	〃
مدحِ رسول ﷺ	(انتخابِ نعت)	〃
نعت خاتم المرسلین	(انتخابِ نعت)	〃
اقبال، قائدِ اعظم اور پاکستان		〃
اقبال و احمد رضا	مدحت گرانِ پیغمبر	〃
راج دُلارے	(بچوں کے لیے نظمیں)	〃
نظریۂ پاکستان اور نصابی کتب		〃
ترجمہ خصائص الکبریٰ		〃
ترجمہ فتوح الغیب		〃
ترجمہ تعبیر الرؤیا		〃
تحریکِ ہجرت ۱۹۲۰ء		زیرِ طباعت
فکرِ اقبال کی جہات		〃
ماں باپ کے حقوق		〃
سوچاں دا سہپن	(پنجابی نعتاں دا مجموعہ)	〃
اساں مدینے والے دا	(پنجابی نعتاں دا انتخاب)	〃
ثنائے محمد ﷺ	(انتخابِ نعت)	〃
فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ	(انتخابِ مناقب)	〃
تحریکِ پاکستان	مثبت اور منفی کردار	زیرِ ترتیب
احادیث اور معاشرہ		〃
تحریکِ ترکِ موالات		〃
یادِ اسلاف یا تقلیدِ اسلاف		غیر مطبوعہ
زعمائے ملت		〃
اردو کے چند نعت گو		〃
لمحۂ فکریہ		〃
علمی مجادلے		〃